قواعدِ اُردو

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعدِ اُردو
ڈاکٹر مولوی عبدالحق

ابن انشا
کے دیگر سفرنامے

☐ شگفتہ شگفتہ ☐ رواں دواں

کارٹونوں سے مزین آفسٹ طباعت کپڑے کی جلد خوبصورت گرد پوش

آدھا سفر کی ڈائری کا اس میں یورپ اور مشرق وسطیٰ کے سفر کا لندن پیرس جرمنی، فن لینڈ، سوئٹزرلینڈ، دبئی، مصر، شام و لبنان وغیرہ

دنیا گول ہے ایک سفر دنیا کے گرد کو لبنون، فلپائن، سنگاپور، کوالالمپور، بنکاک، ہانگ کانگ، فیلا، جاپان، کوریا، ہوائی، امریکہ، لندن پیرس، انقرہ، تہران اور کابل۔

چلتے ہو تو چین کو چلیے تیئیس دن، ایک عام انسان نے چین کے اندرونوں اور لمبے چوڑے کارناموں کی۔

اور لطیف طنز و مزاح کا شاہکار

اردو کی آخری کتاب جدید اردو ریڈر نامنظور کردہ ٹیکسٹ بک بورڈ "ابن انشا کا اسلوب آہنگ نیا ہی نہیں، قابل تقلید بھی ہے" (مشتاق احمد یوسفی)

ابن بطوطہ کے تعاقب میں تازہ ترین سفر ابن انشا کا لندن پیرس جرمنی، فلپائن، ہانگ کانگ، جاپان کا

لاہور اکیڈمی۔ لاہور

قواعدِ اُردو

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

لاہور اکیڈمی

۲۰۵- سرکلر روڈ لاہور

جملہ حقوق باضابطہ محفوظ ہیں

بلا اجازت ڈاکٹر مولوی عبدالحق کوئی چھاپنے کا مجاز نہیں

ناشر ——— سردار محمود چودھری

لاہور اکیڈمی، ۲۰۵ سرکلر روڈ لاہور

قیمت ——— -/۱۸ روپے

مطبع ——— جی ایف پریس لاہور

فہرست

مقدمہ	۷
قواعد اردو	۲۸
فصل اول۔ ہجا	۳۲
اعراب (یا حرکات و سکنات)	۳۷
فصل دوم۔ صرف	۴۵
۱۔ اسم	۴۶
اسم خاص	۴۶
اسم کیفیت	۴۷
اسم جمع	۴۷
لوازم اسم	۴۸
جانداروں کی تذکیر و تانیث	۵۱
تعداد و حالت	۶۹
اسما کی تصغیر و تکبیر	۷۶
۲۔ صفت	۷۸
صفت ذاتی	۷۸
صفت نسبتی	۸۰
صفت عددی	۸۲
صفت مقداری	۸۶
صفت ضمیری	۸۷
۳۔ ضمیر	۸۹
ضمیر موصولہ	۹۴
ضمائر استفہامیہ	۹۵
ضمیر اشارہ	۹۶
ضمائر تنکیر	۹۷

صفات ضمیری ۹۸
ضمائر کے ماخذ ۹۹
۴۔ فعل ۱۰۲
فعل حال ۱۱۰
فعل مستقبل ۱۱۴
فعل کی گردان ۱۱۵
حالت ۱۱۶
گردان افعال ۱۱۷
طور مجہول ۱۲۳
مرکب افعال ۱۳۱
اسما و صفات کی ترکیب سے ۱۳۹
۵۔ تمیز ۱۴۱
حروف ۱۴۴
حروف ربط ۱۴۴
حروف عطف ۱۴۷
حروف تخصیص ۱۴۹
حروف فجائیہ ۱۵۱
فصل سوم۔ مشتق اور مرکب الفاظ ۱۵۳
فصل چہارم۔ نحو ۱۷۵
نحو تفصیلی۔ جنس۔ ۱۷۵
تعداد ۱۷۷

حالت ۱۸۲
فاعلی حالت ۱۸۴
"نے"، علامت فاعل ۱۸۴
ندائی حالت ۱۸۸
مفعولی حالت ۱۹۰
خبری حالت ۱۹۴
اضافی حالت ۱۹۵
طوری حالت ۲۰۰
صفت ۲۰۴
صفات عددی ۲۰۷
ضمائر ۲۱۰
فعل ۲۲۰
حاصیہ ۲۲۲
اسم فاعل ۲۲۸
زمانہ ۲۲۹
امر ۲۳۳
مستقبل ۲۳۵
فعل حال ۲۳۵
ماضی احتمالی ۲۳۹
ماضی شرطیہ ۲۴۰
افعال مجہول ۲۴۱

فعدیہ افعال ۲۴۲
افعال مرکب ۲۴۲
تتمہ ۲۴۶
حروف: حروف ربط ۲۵۵
"سے" ۲۵۷
"تک" ۲۵۸
"پر" ۲۵۹
"آگے" ۲۶۰
"ساتھ" ۲۶۰
حروف عطف ۲۶۱
شرط ۲۶۳
استدارک ۲۶۴
استثنا ۲۶۵
علت ۲۶۵
مقابلہ ۲۶۵
بیانیہ ۲۶۶
حروف تخصیص ۲۶۶
تکرار الفاظ۔ ۲۶۸
نحو ترکیبی۔ مفرد جملے۔ جملے کے اجزا۔ ۲۷۶
مثالیں ۲۷۶
مبتدا کی توسیع ۲۷۸
خبر کی توسیع ۲۷۹
مطابقت ۲۸۰

مرکب جملے۔ ۲۸۹
ہم رتبہ جملے ۲۸۹
تابع جملے ۲۹۲
جملے میں الفاظ کی ترتیب ۳۰۳
رموز اوقاف ۳۰۹
علامتوں کا محل استعمال۔ سکتہ ۳۱۰
وقفہ ۳۱۴
رابطہ ۳۱۶
تفصیلیہ ۳۱۷
خاتمہ ۳۲۰
واوین ۳۲۱
فجائیہ ۳۲۱
سوالیہ ۳۲۲
خط ۳۲۲
قوسین ۳۲۲
زنجیر ۳۲۳
عروض۔ ۳۲۹
وزن ۳۲۹
بحر ۳۲۹
ارکان بحر ۳۲۹
تقطیع ۳۲۹
اجزائے ارکان ۳۳۰
ارکان ۳۳۰

اسماء و شمار بحور	۳۳۱
زحاف	۳۳۲
خاص زحاف	۳۳۳
عام زحاف	۳۳۳
بحریں۔ بحر ہزج	۳۴۱
۲۔ بحر رجز	۳۴۳
۳۔ بحر رمل	۳۴۳
۴۔ بحر کامل	۳۴۴
۵۔ بحر متدارک	۳۴۵
۶۔ بحر متقارب	۳۴۵
مرکب بحریں۔ بحر خفیف	۳۴۷
۲۔ بحر سریع	۳۴۸
۳۔ بحر منسرح	۳۴۸
۴۔ مضارع	۳۴۹
۵۔ مشرح	۳۵۰
۶۔ بحر مقتضب	۳۵۰
اوزان رباعی	۳۵۱

مقدّمہ

اُردو زبان دنیا کی جدید زبانوں میں سے ہے اور ابھی ابھی اس نے اپنے بل بوتے پر کھڑا ہونا سیکھا ہے۔ زبان نہ کسی کی ایجاد ہوتی ہے اور نہ کوئی اُسے ایجاد کر سکتا ہے جس اُصول پر بیج سے کونپل پھوٹتی، پتے نکلتے، شاخیں پھیلتی، پھل پھول لگتے ہیں اور ایک دن وہی ننھا سا پودا ایک تناور درخت ہو جاتا ہے، اُسی اصول کے مطابق زبان پیدا ہوتی، بڑھتی اور پھیلتی پھولتی ہے۔ اُردو اس زمانے کی یادگار ہے۔ جب مسلمان فاتح ہندوستان میں داخل ہوئے اور اہل ہند سے ان کا میل جول روز بروز بڑھتا گیا۔ اُس وقت ملک کی زبان میں خفیف سا تغیر پیدا ہوتا چلا گیا جس نے آخر ایک نئی صورت اختیار کی، جس کا ان میں سے کسی کو سان گمان بھی نہ تھا۔ مسلمان فارسی بولتے آئے تھے اور ایک زمانے تک ان کی زبان فارسی ہی رہی، دربار و دفاتر میں بھی اُسی کا سکہ جاری تھا۔ ہندوؤں نے بھی اُسے شوق سے سیکھا۔ اُس زمانے میں فارسی لکھنا پڑھنا تہذیب میں داخل تھا۔ فارسی کے علاوہ عربی مسلمانوں کی مذہبی اور علمی زبان تھی۔ دستار فضیلت کا ملنا بغیر تحصیل زبان عربی ناممکن تھا، کیونکہ مسلمانوں کے علوم و فنون کا خزانہ اسی زبان میں مدفون ہے۔ اِدھر ملک میں جو زبان (قدیم ہندی یا پراکرت) رائج تھی اُسے بھی مسلمانوں نے سیکھا، عوام وہی زبان بولتے تھے۔ چنانچہ اس مخلوط زبان میں

بڑے بڑے شاعر ہوئے، مسلمان شاہی درباریوں اور علما اور شعرا نے بھی یہ زبان سیکھی اور اس میں تالیف و تصنیف بھی (جو زیادہ تر نظم تھی) کی۔ غرض ہندوستانیوں کے اس میل جول اور خلا ملا سے ایک نئی زبان نے جنم لیا، جس کا نام بعد میں اُردو رکھا گیا۔ اُردو کے معنی لشکر کے ہیں اور لشکری زبان جیسی ہوتی ہے ظاہر ہے، یعنی آدھا تیتر آدھا بٹیر۔ اس لئے اوّل اوّل ثقہ لوگ اس کے استعمال سے بچتے رہے اور اس کے لکھنے پڑھنے کو عار سمجھتے رہے۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کے قدم جمتے گئے اور مغلیہ سلطنت کے آخری دور میں شعرا نے اس بچے کو اپنے سایۂ عاطفت میں لیا اور پال پوس بڑا کیا، بہت کچھ صفائی پیدا کی اور نئی تراش خراش سے آراستہ کیا۔ مغلیہ سلطنت کے زوال پر سمندر کے راستے ایک نئی قوم ہندوستان پر مسلط ہوئی۔ جو ہندو مسلمانوں سے بالکل غیر تھی۔ اس قوم نے اس کی انگلی پکڑی اس نے انگلی پکڑتے ان کا پہنچا پکڑا اور دربار سرکار میں اس کی رسائی ہوگئی۔ اور رفتہ رفتہ دفاتر سے فارسی کو نکال باہر کیا اور خود اس کی کرسی پر جلوہ گر ہوئی۔ آخر ہندوستان کی قدیم راج دھانی اس کا جنم بھوم اور دودآبہ اس کا وطن ہوا۔ اب دور دور پھیل چلی ہے اور ہندوستان کے اس سرے سے اُس سرے تک چلے بائیے ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی ہے بلکہ ہندستان کے باہر تک جا پہنچی ہے۔ سب سے بڑھی چڑھی بات یہ ہے کہ یہ تین مختلف جلیل القدر قوموں کی یعنی ہندو، مسلمانوں اور انگریزوں کی چہیتی ہے اور ان تینوں کی متفقہ کوششوں کی عظیم الشان یادگار ہے تینوں نے اسے سیکھا، پڑھا، لکھا، تینوں نے اس کی ترقی میں مقدور بھر کوشش کی اور اب تینوں کی بدولت اس رتبے کو پہنچی کہ دنیا کی جدید زبانوں میں شمار کئے جانے کے قابل ہوئی۔

اُردو، ہندی نژاد ہے اور قدیم ہندی یا پراکرت کی آخری اور سب سے شائستہ صورت ہے۔ ہندی بولی اور فارسی کے میل سے بنی ہے۔ اس میں جو سنسکرت اور پراکرت کے الفاظ ہیں وہ زمانہ دراز کے استعمال اور زبانوں پر چڑھ جانے

سے ایسے ڈھل گئے ہیں کہ اصل الفاظ میں جو بھدا پن اور کرختگی اور تلفظ اور لہجے کی دقت تھی بالکل جاتی رہی، اور چھٹ چھٹا کر پاک صاف سیدھے سادھے رہ گئے جس سے زبان میں لوچ، گھلاوٹ اور صفائی پیدا ہوگئی۔ اُردو کے ہندی نژاد ہونے میں شبہ نہیں کیونکہ بیرونی زبانوں کا اثر صرف اسما و صفات میں ہوا ہے ورنہ زبان کی بنیاد یہیں کی زبان پر ہے۔ تمام حروف فاعلی، مفعولی، اضافت، نسبت، ربط وغیرہ ہندی ہیں۔ ضمیریں سب کی سب ہندی ہیں، افعال سب ہندی ہیں۔ لیکن عربی فارسی الفاظ کے اضافے نے مختلف صورتوں میں اس کی اصل خوبی میں اضافہ کر دیا ہے۔ ہندی الفاظ میں دل نشینی کا خاص اثر ہے اور عربی فارسی الفاظ میں شان و شوکت، اور زبان کے لئے ان دونوں عنصروں کا ہونا ضروری ہے۔ عربی فارسی الفاظ نے نہ صرف لغت اور نحو میں بلکہ خیالات میں بھی وسعت پیدا کر دی ہے، جس سے اس کا حسن دوبالا ہوگیا اور وہ زیادہ وسیع اور کارآمد بن گئی۔ مگر اصل بنیاد جس پر وہ قائم ہے، ہندی ہی ہے۔ محض غیر زبانوں کے اسما و صفات کے اضافے سے اس کے ہندی ہونے میں مطلق فرق نہیں آسکتا۔ مثلاً آجکل بہت سے انگریزی لفظ داخل ہوتے جاتے ہیں، لیکن اس سے زبان کے اصلیت و ماہیت پر کچھ اثر نہیں پڑ سکتا۔ ایک دوسری بات اُردو زبان میں یہ ہے کہ وہ اس اصول پر قائم ہے جو تمام جدید زبانوں میں اس وقت پایا جاتا ہے۔ یعنی صورت ترکیبی سے حالت تفصیلی کی طرف اس کا رجحان ہے۔ قدیم زبانوں میں یہ بڑی دقت تھی کہ ایک ہی لفظ کو ذرا ذرا سے فرق اور پھیر سے مختلف صورتوں میں لے آتے تھے۔ اب دوسرے الفاظ کی مدد سے مرکب صورتیں پیدا ہوگئیں ہیں اور وہ دقتیں جاتی رہی ہیں۔ اُردو کو بھی اس قید سے آزادی مل گئی ہے۔ غرض یہ زبان مختلف حیثیتوں سے ایسی قبول صورت ہوگئی ہے کہ اس کی ترقی میں شبہ نہیں ہوسکتا۔ اس کی صفائی، فصاحت اور صلاحیت اور ہندی، فارسی، عربی اور انگریزی کے مختلف مفید اثرات اس امر کا

یقین دلاتے ہیں کہ وہ دُنیا کی ہونہار زبانوں میں سے ہے اور ایشیا میں ایک روز اس کا ستارہ چمکے گا۔

مجھے خوب یاد ہے کہ کئی سال کا عرصہ ہوا کہ میرے ایک دوست نے جلسے میں تذکرتاً میری کتاب صرف و نحو اُردو کے متعلق کہا کہ انجمن ترقی اُردو (حیدرآباد دکن) سے چھپوا دے تو بہت اچھا ہو۔ اس پر ہمارے ایک عالم دوست نے فرمایا کہ صرف و نحو کی کتابیں بچوں کے لئے ہوتی ہیں۔ انجمن کی طرف سے ایسی کتابوں کا طبع ہونا ٹھیک نہیں۔ مجھے اس میں کلام ہے کہ صرف و نحو کی کتابیں بچوں کے لئے مخصوص ہیں۔ بلکہ میری رائے میں انہیں اپنی زبان کی صرف و نحو پڑھنا مضر ہے۔ البتہ یہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ ایک زندہ اور جدید زبان کے لئے گرامر (صرف و نحو) کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آخر گرامر کی ضرورت پڑی کیوں؟ جب ہم دنیا کی مختلف زبانوں پر نظر ڈالتے ہیں اور اُن کے ادب کی تاریخ بغور پڑھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں گرامر کی ضرورت اس وقت واقع ہوئی جب کہ ایک زبان والوں نے دوسری زبان کے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اوّل اوّل خود اہل زبان کو کبھی اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ مثل دوسرے علوم و فنون کے ضرورت نے اسے بھی ایجاد کیا۔ اور زبان کے سب سے پہلے علمی نحوی وہ لوگ تھے جنہوں نے سب سے اوّل علمی طور پر زبانوں کی تعلیم دی۔ صرف و نحو کے قواعد کی تدوین انہیں معلمین السنہ کا کام تھا۔

زبانوں کا سیکھنا سکھانا نسبتاً جدید زمانے کی ایجاد ہے جو آجکل خاصا پیشہ ہوگیا ہے۔ قدیم زمانے میں لوگ غیر زبانوں کے سیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔ مثلاً کسی قدیم یونانی یا عرب کو کسی غیر زبان کے سیکھنے کا کبھی خیال نہیں آتا تھا اور وہ کیوں سیکھتا؟ اس لئے کہ یونانی سوائے یونانیوں کے اور عرب سوائے عربوں کے سب

کو وحشی خیال کرتا تھا۔ غیروں کی زبان سیکھنا، ان کے آداب و اطوار کا اختیار کرنا اس کے لئے عار اور موجب ذلت تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یونانی غیر اقوام کو ایک لوسائی یعنی بے زبان اور عرب دوسروں کو عجم یعنی گونگے اور پول اپنے پڑوسی اہل جرمن کو نیمیا یعنے گونگے بہرے اور ہندو اپنے سوا دوسروں کو ملیچھ (ملیچھ) کہتے تھے۔ ملیچھ یعنی ملیچھ کے اصل معنی ایسے شخص کے ہیں جسے صاف طور سے بولنا نہیں آتا۔

جب یونانیوں کو دوسری اقوام سے سابقہ پڑا اور ان سے بات چیت کی ضرورت ہوئی تو بڑی دقت پیش آئی۔ اگر ہر شخص اپنی ہی زبان بولنے پر اصرار کرے تو دوسروں کی کیوں کر سمجھے۔ ان کے لئے غالباً غیر زبانوں کے سیکھنے کی پہلی محرک تجارت ہوئی اور دوسری محرک اسکندر کی فتوحات۔ ایران اور ہندوستان کی فتوحات نے یونانیوں پر ثابت کر دیا کہ دوسری قومیں بھی زبان رکھتی ہیں۔ لیکن طرہ یہ ہے کہ بہ نسبت یونانیوں کے دوسری اقوام میں جنھیں یونانی وحشی کہتے تھے زبانیں سیکھنے کی زیادہ صلاحیت تھی۔ اسکندر کی فتوحات نے باہمی میل جول کا رستہ کھول دیا تھا اور اسکندریہ مختلف اقوام، مختلف زبانیں بولنے والوں اور مختلف مذاہب کے لوگوں کا سنگم ہوگیا۔ گو ابتدائی تعلق تجارتی تھا لیکن فرصت کے اوقات میں دوسرے معاملات اور مباحث بھی خود بخود زیر بحث آگئے۔ علاوہ اس کے خود یونانی اسکندریہ میں موجود تھے جو قدیم حالات کی تحقیق میں مصروف تھے اور اسی طرح مصریوں ایرانیوں اور یہودیوں کے علم و ادب و معتقدات بحث میں آئے۔ اگرچہ اسکندریہ میں دوسرے اقوام کے علم ادب کے متعلق ایک دلچسپی پیدا ہوگئی تھی لیکن زبان کی تحقیق و تنقید دوسری زبانوں کے مطالعہ سے پیدا نہیں ہوئی بلکہ خود یونانی زبان کی مختلف شاخوں پر غور کرنے سے اس کا آغاز ہوا اور سب سے بڑی وجہ اس کی ہومر کی کتاب ہوئی۔ سب سے اوّل ان علما نے زبان کی تنظیم کی طرف توجہ کی جو قدیم اساتذہ اور خاص کر ہومر کی تصانیف کو صحت اور تنقید کیساتھ شائع کرنے کا کام

کر رہے تھے۔ مختلف نسخے اسکندریہ اور پرگامس میں یونان کے مختلف حصّوں سے وصول ہوئے جن میں آپس میں بہت کچھ اختلاف تھا اور اس لیے ان علما کو مجبوراً یونانی گریمر کی صحیح صورت قائم کرنے پر متوجہ ہونا پڑا۔ اس میں شک نہیں کہ ان لوگوں نے اوّل یونانی زبان کا تنقیدی نظر سے مطالعہ کیا اور اس کی تنظیم کی اور مختلف اجزائے کلام کا امتیاز قائم کیا اور الفاظ کے مختلف عملوں کے لئے اصطلاحی الفاظ گھڑے، لیکن تاہم حقیقی اور ابتدائی گریمر ابھی تک نہیں لکھی گئی تھی۔ پہلا حقیقی نحوی ڈائونی سی آس تھریکس تھا۔

یہ شخص جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے تھریس کا باشندہ تھا لیکن وہ اسکندریہ میں رہتا تھا۔ بعد ازاں وہ روما گیا جہاں اس نے یونانی زبان کی تعلیم دینی شروع کی اور معلّمی پیشہ اختیار کیا اور اپنے رومن شاگردوں کے لئے زبان کی پہلی گریمر لکھی۔ اگرچہ گریمر کا ڈھانچہ پہلے سے موجود تھا لیکن اس نے پہلے کے فلسفیوں اور نقادوں کے نتائج سے فائدہ اُٹھا کر یہ کتاب مرتب کی، یونانیوں کے لئے نہیں، کیوں کہ انہیں ضرورت نہ تھی، وہ اپنی زبان سے خود واقف تھے بلکہ اہل روما کی تعلیم کے لئے۔ اس شخص کے بعد اور لوگ پہنچے اور معلّمی یا مترجمی کا پیشہ کرنے لگے۔ یہ پیشہ وہاں اچھا خاصا اور معزز سمجھا جاتا تھا کیوں کہ رومن نوجوانوں کو یونانی پڑھنے لکھنے اور بولنے کا ایسا ہی شوق اور خبط تھا جیسا آج کل ہندی نوجوانوں کو انگریزی پڑھنے، لکھنے اور بولنے کا ہے، یہاں تک کہ بچّوں کو اوّل یونانی پڑھائی جاتی تھی اور بعد میں لاطینی۔ یونانی آداب و تہذیب کا اختیار کرنا اور یونانی جاننا شرافت کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ گو روما نے یونان کو فتح کیا تھا لیکن علمی لحاظ سے وہ خود اس کا مفتوح ہو گیا۔ غرض یونانی زبان کے سیکھنے اور یونانی کتابوں کے ترجمے کا عام رواج ہو گیا اور اسی وجہ سے یونانی گریمروں کی ضرورت ہوئی اور جب لاطینی گریمر لکھی گئی تو یونانی اصطلاحات لاطینی

لباس میں ترجمہ ہو کر داخل ہو گئیں اور اس جدید لباس میں یہ گریمر دو ہزار سال سے یورپ پر چھائی ہوئی ہے بلکہ آج اس کا اثر ہندستانی مدارس اور ہندستانی زبانوں میں بھی پایا جاتا ہے۔

جب ہم عربی زبان کی صرف و نحو کی ابتداء پر نظر ڈالتے ہیں تو بعینہٖ یہی صورت وہاں بھی پیش آئی۔ جس طرح ہومر کی کتاب کی درستی اور صحت کے لئے اوّل اوّل نحو کے ابتدائی اصول پر نظر گئی، اسی طرح قرآن پاک کے الفاظ کی صحت قائم رکھنے کے لیے سب سے پہلے زبان کی نحو کی طرف مجبوراً توجہ کرنی پڑی۔ سب سے پہلا شخص ابوالاسود دؤلی تھا جسے ایک قاری کو قرآن کی آیت غلط پڑھتے ہوئے سن کر یہ خیال ہوا کہ اگر خدانخواستہ یہ حالت رہی تو اندیشہ ہے کہ قرآن پاک کے معانی کچھ کے کچھ ہو جائیں گے۔ ابتدا میں عربی رسم الخط ایسا تھا کہ اس میں نقطے اور اعراب نہ تھے اور اس لئے اعراب اور نقطے ایجاد کرنے پڑے صرف و نحو کا خیال بھی اسی قسم کے واقعات سے پیدا ہوا۔ خصوصاً جب اہل عجم مذہب اسلام میں داخل ہوئے اور عربی زبان کا اثر وسیع ہونے لگا تو عجمی زبان کے بولنے میں طرح طرح کی غلطیاں کرنے لگے زبان کے خراب اور مسخ ہونے کا اندیشہ ہوا۔ اس پر سے ابوالاسود کی تحریک پر حضرت علی نے نحو کا پہلا قاعدہ بتایا کہ "سارا کلام اس سے خالی نہیں کہ یا تو اسم ہو گا یا فعل یا حرف" چنانچہ اس پر سے ابوالاسود نے اوّل اوّل قواعد فن لسان کی تدوین کی۔ جب عربوں کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا اور عربی زبان کی روشنی بھی ساتھ ساتھ پھیلنی شروع ہوئی تو قواعد زبان کی ضرورت روز بروز بڑھنے لگی۔ کوفہ و بصرہ میں نحویین کے دو الگ مذہب قائم ہو گئے، جن کے مباحث پر اس وقت نظر ڈالنا ہمارے مقصد سے خارج ہے۔ غرض ہوتے ہوتے نوبت یہ پہنچی کہ نحو یا تو زبان سیکھنے کا آلہ تھی یا خود ایک مستقل فن ہو گئی اور ایک نحوی کی ایسی ہی عزت ہونے لگی جیسے کسی عالم فاضل کی۔

عربی صرف ونحو کی تدوین میں عجمیوں نے بہت بڑا حصّہ لیا (کیوں کہ ضرورت زیادہ انھیں کو تھی) اور بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھیں اور اس میں وہ بحثیں اور نزاکتیں پیدا کیں کہ یہ فن خاصا فلسفہ ہو گیا۔ اور اس کے پڑھنے پڑھانے میں مبالغہ کے ساتھ بڑے بڑے اہتمام ہونے لگے، جس کا اثر اب تک باقی ہے۔ عربی زبان اور صرف نحو کا اثر فارسی، ترکی، اُردو، زبانوں پر بہت کچھ ہوا ہے اور اب عربی اصطلاحات صرف نحو ان زبانوں کی قواعد میں برابر جاری ہیں۔ بلکہ فارسی اُردو کی صرف ونحو عربی کی صرف و نحو کی نقل ہے، اور نقل کیا کی ہے منہ چڑایا ہے۔ غرض کہنے کی یہ ہے کہ عربی صرف نحو کو زیادہ رونق اور عروج عجمی علما کی بدولت ہوا ہے۔

موجودہ زبان فارسی کو دیکھا جائے تو اس کی صرف ونحو بہت صاف اور سیدھی اور مختصر ہے اور اس میں مطلق وہ پیچیدگیاں نہیں جو قدیم زبانوں یا اُردو زبان میں ہیں لیکن یار لوگوں نے عربی تتبع میں اس کی بھی خوب مٹی خراب کی۔ زبان کچھ کہتی ہے اور گرامر کچھ اور بعینہ یہ مثل صادق آتی ہے۔

من چہ سرایم و طنبورۂ من چہ سراید

لیکن تاہم بری بھلی جو کتابیں فارسی صرف ونحو، تنقید زبان، صنائع بدائع اور لغت پر لکھی گئی ہیں وہ سب زیادہ تر تو اہل ہند یا بعض اور بیرونی لوگوں کی تصنیف سے ہیں۔ اہل زبان نے کبھی اس پر قلم اُٹھانے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ انہیں اپنی زبان کی صرف ونحو لکھنے کی ضرورت ہی نہ تھی اور نہ کبھی انہیں اس کا خیال آیا۔ وہ ان کی مادری زبان تھی۔ پیدا ہوتے ہی وہی آوازیں ان کے کانوں میں پڑتی تھیں اور ہوش سنبھالتے ہی وہی زبان جو سنتے تھے بولتے تھے۔ صرف ونحو وہ پڑھے جس کی مادری زبان نہ ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ فارسی کی صرف ونحو غیروں نے لکھی۔

اس کے بعد جب ہم اُردو زبان پر نظر ڈالتے ہیں تو اس کی حالت سب سے عجیب و غریب

ہے۔ اس کی صرف ونحو کی طرف ابتدا میں نہ صرف کسی اہل ہند بلکہ ایشیا بھر میں کسی شخص کا خیال نہ گیا۔ اور خیال کیا تو غیروں نے اور غیر بھی کیسے بات چیت اور زبان ہی میں غیر نہیں، بلکہ صورت شکل، عادات واطوار، طریق ماندوبود، طرز خیال غرض گفتار، رفتار وکردار میں بھی غیر ہیں۔ اور ایسے غیر کہ باوجودیکہ دو سو ڈیڑھ سو برس ایک سرزمین میں ایک ساتھ رہتے گزر گئے ہیں مگر اب تک غیریت نہیں گئی۔ میرا مطلب ان اہل فرنگ سے ہے جو آگ لینے آئے تھے اور گھر کے مالک بن بیٹھے۔ اہل یورپ کے آنے سے اس ملک کو اگر کچھ فوائد پہنچے ہیں تو ان میں سے بلاشبہ ایک یہ بھی ہے کہ انہیں نے ایک ایسی زبان کی سرپرستی اور تقویت میں ہاتھ بٹایا جو ملک کی مختلف اقوام کی متحدہ اور مشترکہ زبان تھی۔ اگرچہ اس میں اُن کی ذاتی غرض پنہاں تھی، کیوں کہ بغیر ایک ایسی زبان سیکھنے ان کو اپنی اغراض میں کامیابی نہیں ہو سکتی تھی۔ مگر ذاتی اغراض کے ساتھ ملکی اغراض بھی خود بخود انجام پا گئے۔ ان لوگوں کے، اس زبان پر توجہ کرنے اور سیکھنے سے بھی یہ صاف عیاں ہے کہ یہ زبان ملک کی عام زبان تھی۔ ان حضرات کو ملک کی کسی زبان سے نہ الفت تھی نہ نفرت، وہ ایسی زبان سیکھنی چاہتے تھے جو ہر جگہ کارآمد ہو اور ان کے کاروبار اور معاملات میں سہولت پیدا کرے اور وہ سوائے اُردو کے کوئی دوسری زبان نہ تھی۔ لہٰذا اس کی تحصیل میں انہوں نے کوشش کی اور بے شک یہ ان کے اغراض کے لئے مفید بھی ثابت ہوئی۔

جہاں تک تحقیق کی گئی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلا یورپین جس نے ہندوستانی زبان کے قواعد لکھے وہ جان جوشوا کیٹیلر تھا۔ جو پرشیا کے شہر ایل بنجن میں پیدا ہوا۔ مذہب میں یہ لوتھر کا پیرو تھا۔ یہ شخص شاہ عالم بادشاہ (سنہ ۱۷۰۸ء - ۱۷۱۲ء) اور جہاندار شاہ بادشاہ (سنہ ۱۷۱۲ء) کے دربار میں بطور ڈچ سفیر کے حاضر ہوا۔ سنہ ۱۷۱۱ء میں وہ ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ناظم تجارت بہ مقام سورت مقرر ہوا۔

وہ دوسرے [illegible] اور [illegible] سورت سے گزرا [illegible] ۔ لیکن یہ نہیں کہ [illegible]
سال گزرے [illegible] بھی رہا ہیں ۔ اگرچہ [illegible] کا ایک کارندہ سورت کے تحت میں
موجود تھا ۔ اس [illegible] کے قریب [illegible] میں وہ [illegible] اور یہاں سے شاہ کے
ہمراہ دہلی واپس ہوا اور آخر کار اس مقام سے [illegible] انگریز [illegible]
کو آگرے سے پہنچا اور پھر آگرے سے سورت واپس ہو گیا ۔ سنہ [illegible] تک وہ [illegible] سال
سورت میں [illegible] کا ناظم (ڈائریکٹر) رہا اس کے بعد وہ ایران کا سفیر مقرر ہوا اور [illegible]
سے جولائی [illegible] میں [illegible] ہوا ۔ اس وقت [illegible] کی ملازمت کرتے
ہوئے تیس سال ہو گئے اور اصفہان سے واپس ہوتے وقت [illegible] ہیں کہ [illegible] تمام عمر [illegible]
ملازمت [illegible] کیا ۔

اس نے ہندوستانی زبان کے قواعد اور لغت پر کتاب لکھی جو [illegible] سنہ [illegible] میں
میں چھاپ کر شائع کی ۔ قیاس یہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس نے [illegible] کے لگ بھگ تصنیف
کی ہوگی ۔ یہ کتاب لاطینی زبان میں ہے لیکن ہندوستانی الفاظ اور عبارتیں رومن حروف
میں ہیں ۔ ابتدا حروف کے [illegible] میں ہندوستانی الفاظ [illegible] لکھے ہیں اور ان الفاظ کا [illegible]
صحیح [illegible] ہے ۔ ایک بات اس قواعد میں [illegible] یہ ہے کہ حرف [illegible]
سے [illegible] نہیں ہے اور علاوہ اس کے وہ آپ کو بھی [illegible] زبان [illegible] استعمال
ہوا ہے [illegible] جمع متکلم کی ضمیر بتایا ہے

[illegible] کی گرامر کے طبع ہونے کے دو برس بعد [illegible] مشہور [illegible] ہندوستانی
زبان [illegible] کی قواعد شائع ہوئی (سنہ [illegible]) یہ صاحب [illegible] گرامر سے
واقف تھے ۔ اور اپنی کتاب کے دیباچے میں اس کا ذکر بھی کیا ہے ۔

[illegible] کی گرامر بھی لاطینی میں ہے مگر ہندوستانی الفاظ فارسی حروف میں ہیں اور
ان کا تلفظ بھی ساتھ ساتھ لاطینی میں دیا ہے ۔ [illegible] ہے مگر

بعض حروف بالکل ترک کر دیئے ہیں ۔ [illegible] شخص کے [illegible] سے واقف ہے
لیکن [illegible] متعدد [illegible] کے ساتھ [illegible] کے استعمال سے نہیں [illegible]
نہیں [illegible] قدیم [illegible] کی وجہ یہ ہے کہ
[illegible] کو استعمال کا التزام نہیں ہوتا تھا ۔

[illegible] سنہ [illegible] میں شائع ہوئی ۔ اس کے بعد متعدد کتابیں [illegible]
اس کے قواعد کے متعلق لکھی گئیں [illegible]
[illegible] سنہ [illegible] میں شائع ہوئی ۔ اس کے بعد [illegible] جب [illegible]
[illegible] ہندوستانی زبان کی ضرورت [illegible] لیکن جان گلکرسٹ کی [illegible] کا ذکر کرنے سے [illegible]
[illegible] ایک شخص [illegible] ہیں ۔ اس نے [illegible]
[illegible] ہیں ۔ [illegible] سنہ [illegible] میں [illegible]
[illegible] سے [illegible] ۔
[illegible] ہوا [illegible] جس سے اس نے سنسکرت ، بنگالی ، اور
ہندوستانی [illegible] سیکھی [illegible]
[illegible] بنگالی میں [illegible] اپنے بیان کے بموجب
[illegible] عام طور پر [illegible] بہت تعریف
ہوئی ۔ [illegible] کے بعد [illegible] بادشاہ کے [illegible]
[illegible] ہندوستان [illegible] قیام کے بعد انگلستان واپس چلا گیا ۔ [illegible]
[illegible] گرامر شائع کی اور [illegible] ملاقات پیدا کی ۔ اس
[illegible] ملازم ہو گیا اور سرکاری طرف
[illegible] سنسکرت کا [illegible] کرنے کے لئے [illegible] ہو گئی لیکن اس کی [illegible]
[illegible] سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید [illegible] ہندوستانی زبان کے [illegible]

اور سنسکرت میں زیادہ ہو کیونکہ اس نے ہندستانی گرامر میں نہ صرف الفاظ کا لفظ لفظ کی
ہے بلکہ قواعد کے بیان کرنے میں بھی ہمیشہ اس کی طرح طبعیان کی ہے۔

ڈاکٹر جان گلکرسٹ کا نام اردو کے محسنوں میں نہایت ممتاز ہے اور اردو زبان کا
تو بانی کا مرتبہ اسی کو حاصل ہے۔ اس نے نہ صرف
زبان اور قواعد زبان اور لغت پر اہل دیہے کی کتابیں لکھیں بلکہ چند ایسی زبان حضرات کے
جمع کر کے ان سے ایسی کتابیں لکھوائیں جن میں سے بعض پیشہ زبان ہیں۔ گل ڈاکٹر صاحب
نے اردو کی خدمت کا کام سنہ ۱۸۰۰ء میں شروع کیا اور فورٹ ولیم کالج الہ آباد زبان کی بہتر
تصنیف کا مرکز انیسویں صدی کے ابتدائی دس سال تک رہا۔ اگرچہ اس کالج کا مقصد اس کا یہ
تھا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی میں جو ملازم ہو کر آتے تھے ان کو اردو سکھانے کے لئے مناسب
کتابیں لکھوائی جائیں تاکہ وہ آسانی سے کمپنی کی زبان کو ہر جگہ بول سکیں۔ لیکن اس پردے میں بعض بے مثل کتابیں لکھی گئیں۔ اور آئندہ اس ڈھنگ
کی تالیف کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اور گلکرسٹ صاحب نے متعدد کتابیں اردو زبان
میں اور اس کی لغت اور قواعد پر لکھی ہیں۔ ان کی کتاب قواعد اردو سنہ ۱۸۰۹ء میں چھپ
کر شائع ہوئی۔ اگرچہ ان کی دو ایک کتابیں اس سے چند سال قبل طبع ہوئی تھیں ان
سے بھی اردو زبان کے قواعد کا کچھ حصہ شریک تھا۔

مسٹر جان شکسپیر کی اردو گرامر لندن میں اول سنہ ۱۸۰۲ء میں شائع ہوئی۔ دوسرا
ایڈیشن سنہ ۱۸۱۸ء میں تیسرا سنہ ۱۸۲۶ء میں اور چوتھا ایڈیشن جس میں دکھنی زبان
کی مختصر سی گرامر بھی اضافہ کی ہے سنہ ۱۸۴۳ء میں اور اس کے بعد ایک ایڈیشن
سنہ ۱۸۷۱ء میں شائع ہوا۔

۱۸۰۳ء میں ولیم ہنٹر نے ایک کتاب انگریزی اور ہندستانی اخبار کے نام سے لکھی جس میں
اردو زبان کے قواعد مختصر طور پر لکھے ہیں۔ یہ کتاب ۱۸۰۵ء میں اور ۱۸۰۷ء میں اور ۱۸۱۰ء میں چھپی۔

اصل گلکرسٹ کی گرامر کا ملخص ہے۔

ولیم ٹیلر نے ایک مختصر زبان ہندستانی کے نام سے تالیف کی جو بمبئی سرکار کے
حکم سے۔ یعنی گرامر لغت اور اسباق زبان دانی۔ اول بار کلکتے میں سنہ ۱۸۱۴ء میں طبع
ہوئی دوسری بار سنہ ۱۸۲۳ء میں اور تیسری بار سنہ ۱۸۳۲ء میں چھپی۔

گلکرسٹ صاحب کے بعد اردو کا دوسرا ایڈیشن جس میں ترمیم بھی عام ہے سوگا سبان داسی نے
اس کے اصول زبان ہندستان پر ایک کتاب لکھی جو بمبئی میں سنہ ۱۸۴۲ء میں طبع ہوئی
اور اس کے قواعد کو لے کر ایک بڑا مختصر جنرل ہینگلک صاحب نے بابت سنہ ۱۸۴۳ء
میں لکھا۔ اس کے علاوہ موصوف نے تاریخ شعرائے اردو تین جلدوں میں لکھی جو بہت
اچھا کتاب ہے۔

ان کی تصنیف سے متعدد رسالے اردو زبان اور اردو مصنفین پر ہیں۔ ان کے
علاوہ کچھ اردو زبان کی سالانہ ترقی و اشاعت پر بہت معلومات سے بھرے ہیں۔

مسٹر ایس ڈیوبوئس نے ہندستانی زبان کے قواعد پر ایک کتاب تالیف کی جو
بمبئی میں سنہ ۱۸۴۰ء میں طبع ہوئی۔

اس کے ایک سال بعد یعنی سنہ ۱۸۴۱ء مسٹر بیٹس نے دریافت کی کتاب نام "جدید
اور آسان قواعد زبان ہندستانی" جو برٹش انڈیا کی نہایت کارآمد عام زبان ہے۔
طبع ہوئی۔ یہ کتاب فارسی اور عربی کے حروف میں ہے اور اس کے بعد ایک مختصر طور پر تالیف کے
لئے مسٹر فیلن نے باقی زبان دانی بھی اضافہ کیے گئے ہیں۔ لندن میں اول بار سنہ ۱۸۴۱ء
اور دوسری بار سنہ ۱۸۴۴ء میں طبع ہوئی۔

سنہ ۱۸۴۲ء میں ایک کتاب انگریزی اور ہندستانی اخبار کے نام سے قاعدہ پر اردو مقدمہ
اردو ہندستانی برائے اکادمی طلبا مدراس میں طبع ہوئی۔ مولف کا نام تحریر نہیں ہے۔
ہندستانی زبان کے قواعد مشرقی اور دوسرے حروف میں طبع آسان انتخابات جغرافی

تفصیل زبان دانی" فارسی، عربی اور دیوناگری حروف میں" خواجہ امین الدین پانی پتی
فرنگلب دھالی از مسٹر ڈنکن فاربس مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۴۳ء۔

اسی سال مسٹر جیمس آربان ٹائن کی گرامر لندن میں طبع ہوئی اور غالباً یہی کتاب
بعد تحریم و اضافہ سنہ ۱۸۴۸ء میں شائع ہوئی۔

سنہ ۱۸۴۳ء میں ہندستانی زبان کی ایک گرامر لندن میں طبع ہوئی" اس کے مؤلف
دیوناگری اسمال تھے۔ اس میں کچھ انتخابات اردو ادب کے بھی شریک ہیں۔ اس کتاب
کا دوسرا ایڈیشن سنہ ۱۸۵۸ء میں شائع ہوا۔

جرمنی کے ایک عالم نے حال ہی میں اردو زبان کے قواعد پر ایک
کتاب لکھی تھی جو برلن میں سنہ ۱۸۴۲ء میں طبع ہوئی۔

سر ولیم جونس نے سنسکرت اور ہندی زبان کی جو خدمت کی ہے وہ محتاج تعریف
نہیں۔ ایک ادنیٰ شخص سے واقف ہے۔ صاحب موصوف نے ہندستانی زبان کی ایک
ابتدائی کتاب لکھی ہے اس میں علاوہ حروف تہجی کے استعمال کے قواعد محاورات و قصص
کے جملوں کے لئے صرف و نحو کے قواعد بھی درج کئے۔ اس کے سوا ہندستانی گرامر
مولفہ کاٹی ماظر مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۱۲ء کو مرتب کیا جو سنہ ۱۸۱۷ء میں شائع ہوئی۔

سنہ ۱۸۲۰ء میں مسٹر جان ٹوڈ سن نے اردو زبان کی ایک گرامر تالیف کی۔

مسٹر جان پیٹ کی قواعد اردو لندن میں سنہ ۱۸۲۱ء میں طبع ہوئی یہ کتاب
درحقیقت اپنی لکھی گئی ہے۔

کسی بنگالی صاحب نے دکنی گرامر پر ایک رسالہ لکھا تھا لیکن اس پر مؤلف کا نام
نہیں۔ یہ رسالہ سنہ ۱۸۲۷ء میں سیرام پور سے طبع ہوا۔

پادری صاحب کی ہندستانی فارسی و عربی گرامر سنہ ۱۸۳۲ء میں بمقام لندن طبع ہوئی
سنہ ۱۸۳۲ء و سنہ ۱۸۳۳ء میں مسٹر ڈیوڈ لیٹگر نے زبان ہندستان کی گرامر لکھی جو

کے تعلق سرسری سے معلوم ہوتا ہے۔

سنہ ۱۸۳۳ء میں پروفیسر فرگوسن کیرو نے ہندستانی زبان کے قواعد مرتب کئے یہ کتاب
کلکتہ میں طبع ہوئی۔

اسی سال مسٹر ہیڈلی سن نے بھی اردو گرامر تالیف کی۔

جرمن عالم اے سی وڈل نے ایک کتاب اردو زبان کے قواعد پر تالیف کی جس کا نام
اس نے ہندستانی گرامر قیاسی و عملی رکھا۔ یہ کتاب سنہ ۱۸۳۶ء میں بمقام لپ زنگ
طبع ہوئی۔ سنہ ۱۸۴۲ء میں لندن کی گرامر پھر لپ زنگ میں طبع ہوئی۔

یہ فہرست صرف اردو صرف و نحو کی ایسی کتابوں کی ہے جو اہل یورپ نے تالیف کی
ہیں۔ لغت، ادب وغیرہ پر جو کتابیں ان لوگوں نے لکھی ہیں ان کا ذکر نہیں کیا گیا ہے
یوں تو یہاں ان کا ذکر خارج از بحث ہے۔ اس سے بہتر اس بیان کی تصدیق ہو گی
کہ اردو زبان کی صرف و نحو پر پہلے پہل انگریزوں نے توجہ کی۔

اہل ہند میں سب سے اول اس مضمون پر اردو کے مشہور شاعر میر شیر علی افسوس
دہلوی نے قلم اٹھایا۔ ان کی کتاب صرف سنہ ۱۲۳۰ ہجری سنہ ۱۸۱۴ء البحر الزخار
سادات میں بنیاد رکھی گئی۔ اس میں علاوہ قواعد صرف و نحو کے محاورات
مختلف قوموں کی بولیاں اور گفتگو میں طریق طریق کی نظم و نثر بھی شریک ہے۔ بعض مقامات
اغلاط کی تصحیح بھی خوب کی ہے۔ باوجودیکہ اس کتاب کو تالیف ہوئے مدت گزر چکی ہے
لیکن اس وقت بھی وہ بے مثل و نایاب قدر کتاب ہے اور اردو زبان کے ادب میں
بہا وقعت کی نظر سے دیکھی جائے گی۔ یہ کتاب اول اول مرشد آباد میں سنہ ۱۸۲۸ء
میں طبع ہوئی۔

ناظرین کتاب کو یہ پڑھ کر حیرت ہو گی کہ سر سید احمد خاں مرحوم نے بھی اردو
صرف و نحو پر ایک رسالہ تالیف کیا تھا۔ اس کا ایک قلمی نسخہ اسلامیہ اسکول اٹاوہ

کی رائل لائبریری میں موجود ہے۔ مؤلف نے کتاب کے آخر میں سنہ ۱۸۱۲ء تحریر کیا ہے۔ اگرچہ یہ سنہ کتابت ہے لیکن سنہ تالیف بھی اس کے لگ بھگ ہوگا۔ اس میں صرف و نحو کے معنوی قواعد زیادہ تر سعادت سے ماخوذ کئے گئے ہیں۔ اگرچہ یہ کتاب کچھ ایسی قابل داد نہیں لیکن اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ مرحوم کو اردو زبان سے کس قدر دلچسپی تھی۔

اس کے بعد مولوی احمد علی دہلوی نے ایک ابتدائی رسالہ صرف و نحو اردو میں لکھا جو ۱۸۴۱ء میں طبع ہوا۔ اس کتاب کا نام "جلیس" ہے۔ غالباً یہ اردو کی پہلی کتاب ہے اور اس سے سنہ ۱۸۴۱ء تک صرف و نحو کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔

مولوی امام بخش صاحب صہبائی دہلوی فارسی کے مشہور شاعر اور ادیب گزرے ہیں۔ اردو کالج میں پروفیسر بھی تھے۔ انہوں نے بھی اردو صرف و نحو پر ایک کتاب تالیف کی تھی جو دہلی میں سنہ ۱۸۴۹ء میں طبع ہوئی۔ یہ کتاب بھی اچھی ہے۔ اس کے آخر میں ترتیب حروف، ابجد اور اردو کے محاورات اور کہیں کہیں ضرب الامثال بھی دی گئی ہیں۔

ان کے علاوہ بھی اس زمانہ میں دو ایک کتابیں اور لکھی گئیں۔ مثلاً ایک صاحب مرزا جانی نے ایک گرامر ہندستانی، فارسی اور عربی زبان کی لکھی اور اس میں فارسی گفتگو کو بھی ایک حصہ اضافہ کیا۔ اور ایک یورپین صاحب نے اس کا انگریزی ترجمہ بھی کر دیا۔ جو حال کے ساتھ تھا۔ یہ کتاب مطبع ہندوستانی سنہ ۱۸۲۳ء میں طبع ہوئی۔ ایک اور صرفی کتاب بھی کیپٹن ہربرٹ ایم صاحب مترجم الفنسٹن کالج نے نام سے تالیف کی جو بمبئی میں سنہ ۱۸۳۲ء میں طبع ہو کر شائع ہوئی۔ یہ کتاب الفنسٹن صاحب گورنر بمبئی کے نام معنون کی گئی تھی لیکن یہ کتابیں کچھ زیادہ قابل اعتنا نہ تھیں اور نہ ہی ان کا کوئی ذکر ملتا ہے۔

ان کے علاوہ متعدد کتابیں اس بحث پر مدارس کے طلبہ کے لئے لکھی گئیں جو اب ناپید ہیں۔ اگر وہ دستیاب ہوتیں تو ان سے ہم کو اس امر کے معلوم کرنے میں بہت مدد ملتی۔

طبع کی گئی ہے۔ البتہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے جو رسالہ مختصر سا صرف و نحو کے متعلق لکھا ہے وہ طلبا کے مدارس کے لئے بہت مختصر ہے اور صرف ابتدائی مدارس کے طالب علموں کے کارآمد ہو سکتا ہے۔

میں اس سے قبل اس امر کا اعتراف کر چکا ہوں کہ ایک زندہ زبان کے لئے گرامر کی بیساں ضرورت نہیں ہوتی اور میں نے یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ عام اور اکثر گفتگو کی زبان کی صرف و نحو اس وقت لکھی گئی ہے جب کہ کوئی غیر قوم کو اس زبان کی واقفیت یا اس کے سیکھنے کی ضرورت واقع ہوئی اور صرف و نحو کی ابتدا یا اس کے متعلق جو دو بہتر حصے غیر قوم والوں کی طرف سے ہوئے کیونکہ اہل زبان اس سے مستغنی ہوتے ہیں۔ جب حال اردو زبان کا ہوا۔ اس کی صرف و نحو اور لغت کی طرف اول اول اہل یورپ سے ضرورت محسوس ہوئی۔ اس کے بعد جب اہل ملک نے یہ دیکھا کہ ان لوگوں کو اردو پڑھنے کا شوق ہے تو ان کی دیکھا دیکھی وہاں کے فارسی کی طرح سے خود بھی کتابیں لکھنی شروع کیں۔ چنانچہ یہاں جب یہ زبان مدارس میں داخل کی جائے گی تو صرف طلبہ کے لئے کتابیں لکھنی پڑیں گی۔ یہاں جب تک یہ کل جس قدر کتابیں لکھی گئیں ان کی اصل غرض کیا تھی۔ لیکن اب اس کے اب ایک ضرورت اور واقع ہوئی ہے وہ یہ کہ اردو زبان اب ملک کی عام اور مقبول زبان ہو گئی ہے اور ملک میں اکثر جگہ بولی جاتی ہے اور ہر جگہ سمجھی جاتی ہے ملک کی دوسری زبانیں خاص خاص حصوں میں محدود اور مخصوص ہیں۔ اور اس زبان کو کچھ ایسے مقامات کے لوگ بھی پڑھتے اور سیکھتے ہیں جن کی یہ مادری زبان نہیں۔ اس لئے یہ ضرورت واقع ہوئی کہ اس زبان کے قواعد منضبط کئے جائیں اور مستند کتابیں لغت پر لکھی جائیں تاکہ زبان بگڑنے سے محفوظ رہے۔ میر صاحب اس کتاب کے لکھنے میں اس خیال کو مدنظر رکھا ہے اور صرف طلبائے مدارس کی

صرف و نحو کا اطلاق نہیں کیا ہے۔ کچھ زیادہ تر یہ کتابیں ان حضرات کے لئے ہے جو زبان کو نظر تحقیق سے دیکھنا چاہتے ہیں۔

ہمارے ہاں اب تک جو کتابیں قواعد کی لکھی گئی ہیں ان میں عربی کا صرف و نحو کا تتبع کیا گیا ہے۔ اردو خاص ہندی زبان ہے اور اس کا شمول آریائی خاندان میں ہے، بخلاف اس کے عربی زبان کا تعلق سامی السنہ سے ہے، لہٰذا اردو زبان کی صرف و نحو لکھنے میں عربی زبان کا تتبع کسی طرح جائز نہیں۔ دونوں زبانوں کی خصوصیات کا مکمل بیان جو غور کرنے سے صاف معلوم ہو جائیگا۔ کسی طرح اگرچہ اردو ہندی بڑی ہے اور اس کی زبان قدیم کی زبان ہے، انجمان جو زبان کا بہت بڑا مجمع ہیں نیز ضمائر اور اکثر حروف سب کے سب ہندی ہیں صرف اسماء و صفات عربی فارسی کے داخل ہو گئے ہیں اور چند گنتی کے مصادر جو عربی فارسی الفاظ سے بن گئے ہیں، مثلاً جمع کرنا، قبول کرنا، تحویز کرنا وغیرہ کسی شمار میں نہیں بلکہ بعض لغات جو ہم خود اختیار کر لیتے ہیں جیسے بھی جمع کرتے ہیں ہم اردو زبان کی صرف و نحو میں سنسکرت کے قواعد کا تتبع بھی نہیں کیا جاسکتا اس کے متعلق چند موٹی موٹی باتیں یہاں لکھی جاتی ہیں۔

۱۔ ہر اسم کے سنسکرت میں تین حصے کئے گئے ہیں۔ مادہ، حرف بعد مادہ اور حرف آخر۔ موجودہ ہندی یا اردو میں حرف آخر اڑ گیا ہے۔

۲۔ سنسکرت میں اسم کی مختلف حالتیں (فاعل، مفعولی، اضافی وغیرہ) صرف حرف آخر کے تغیر سے بنتی ہیں جو اکثر قدیم زبانوں میں پایا جاتا ہے اور ہندی اردو میں اکثر حروف بڑھانے سے بنتی ہیں اور تمام جدید زبانوں کا میلان اسی طرف ہے۔

۳۔ سنسکرت اور پراکرت میں جنس کی تعداد تین ہے یعنی نر، مادہ اور بے جان موجود، ہندی یا اردو میں صرف دو ہیں۔

۴۔ سنسکرت کا عمل بہت دقیق اور پیچیدہ ہے اور ایک زمانے سے اس میں

تغیر ہوتے ہوتے موجودہ ہندی میں کر حالت اور سادہ ہو گیا ہے تفصیل کا ضمیر کتابوں میں ہے، ہندی میں نہیں۔

سنسکرت میں ہر فعل کی چھ صورتیں، تین قسمیں اور نو جنسی ہیں یعنی کل بیسیوں صورتیں ہوتی ہیں اور یہ سب ایک ہی لفظ کے سر پھیر سے بنتے ہیں۔ موجودہ زبان میں یہ بھی آسانی ہے کہ اکثر افعال امدادی افعال کی اعانت سے بنائے جاتے ہیں اور بہت سے مصادر فارسی اور عربی اسماء و صفات کے آگے ہندی مصادر مثلاً کرنا، کا، کیا وغیرہ بڑھا کر بنائے جاتے ہیں۔

اس صورت میں اردو کی صرف و نحو میں عربی یا سنسکرت کا تتبع کرنا الٹی گنگا بہانا ہے۔ اگر اصطلاحات عربی سے لی گئی ہیں کیوں کہ وہ زمانہ دراز سے رائج ہیں اور اس لئے اس سے گریز نہیں۔ اردو زبان میں تقریباً کل علمی اصطلاحات عربی سے لی گئی ہیں اگر ہماری زبان میں وسعت اور توانائی ہے۔ تاہم یہ خیال کیا گیا ہے کہ تقسیل اور یہ اصطلاحات دور کئے جائیں۔

یہاں اس موقع پر اردو ہندی کے جھگڑے میں پڑنا نہیں چاہتا کیونکہ یہ بحث بے سود ہے یہاں میں بالکل بے سود ہے۔ اول تو اس لئے کہ صرف و نحو میں اس بحث کا کوئی موقع نہیں خصوصاً اس خیال سے کہ اس امر میں تقریباً دونوں ایک ہیں اور دوسرے بعض جزوی اختلاف کے کوئی زیادہ فرق نہیں۔ دوسرے جو شخص اس ملک کی مختلف زبانوں کی تاریخ کو غور سے دیکھے گا اسے معلوم ہو جائیگا کہ فریقین نے محض تنگ نظری اور ہٹ دھرمی سے کام لیا ہے۔ دراصل جھگڑے کی کوئی بات نہیں، قدرتی اثرات اور رجحانات کا روکنا اپنے ہاتھوں سے اپنی ترقی کو روکنا ہے۔

اصل یہ ہے کہ آریا لوگ اس ملک میں داخل ہوئے تو انھوں نے یہاں ایک مختلف قوم کو آباد دیکھا، جن کی زبان ان کی زبان سے بالکل مختلف تھی۔ ملک کی اصل قوم ان کی

آریاؤں کے حملوں کی تاب نہ لا سکی اس لئے کچھ تو انہوں نے شمالی پہاڑوں میں پناہ گزیں ہوئے اور بہت سے جنوبی اور وسطی ہند کے پہاڑوں اور جنگلوں میں جا بسے۔ لیکن پھر بھی بہت سے ایسے تھے جنہوں اپنے عزیز وطن کی جدائی گوارہ نہ کی اگرچہ دشمن وہ سمندروں کے اُس پار تھا اور اس لئے حملہ آوروں کی غلامی میں بسر کرنے لگے۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ مغلوب و پامال کی زبان کیا باقی رہ سکتی ہے۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ان کی زبان نے آریاؤں کی زبان یعنی سنسکرت پر کچھ نہ کچھ اثر ضرور کیا۔ اور اس لئے یہ کہنا غلطی نہ ہوگی کہ قدیم ہندی بولیاں جو پراکرت اور پالی کی اولاد کہلاتی ہیں اُن اثر کا نتیجہ تھیں اور انہیں پراکرت بولیوں سے ہندوستان کی موجودہ آریائی زبانیں پیدا ہوئیں ان کا تعلق سنسکرت سے ایسا ہی ہے جیسے یورپ کی کئی زبانوں کا لاطینی سے۔ ان زبانوں کی تعداد عموماً سات شمار کی جاتی ہے۔ یعنی پنجابی سندھی گجراتی مرہٹی ہندی اُڑیا اور بنگالی۔

ان سب میں ہندی باعتبار قدامت و اہمیت کے سب سے زیادہ قابلِ لحاظ ہے لیکن ابتدا ہی سے اس پر غیروں کی نظریں پڑنی شروع ہوئیں۔ مسلمان جو شمال کی طرف سے اس ملک میں آنے شروع ہوئے اس کو اپنی زبان سے متاثر کئے بغیر نہ رہ سکے اور بالآخر بارھویں صدی سے پڑنا شروع ہوا تھا وہ آخر ایک نئی صورت میں ظہور پذیر ہوا جسے ہم اُردو (لشکری) زبان کہتے ہیں۔ یہ دراصل کوئی پراکرت یا ہندی کی بگڑی ہوئی صورت نہیں بلکہ ہندی کی آخری اور سادہ صورت ہے اور اس وقت ہندوستان کی عام کی زبان مانی جاتی ہے۔ یہ نہ کسی خاص شخص یا فریق کی ایجاد ہے اور نہ کسی خاص مصلحت اور غرض سے بنائی گئی ہے بلکہ جس طرح اس ملک کی مختلف ریاستیں وقتاً فوقتاً مختلف تمدنی اسباب سے تغیرات پیدا ہوئے اور آخر انگلستان تراش کی وجہ سے جو حالت نظر آتی ہے اسی طرح زبان میں بھی تمدنی اثرات اور

رجحانات اور مختلف واقعات سے تغیرات ظہور میں آئے۔ اور اس وقت جو زبان مختلف صورتوں سے پرانی شے کوئی کچھ کے چوکے ہوئے ہیں وہ صرف ایک دھوکا ہے۔ اب اتنی مدت کے بعد ان باتوں پر جھگڑا کرنا گویا صدیوں کے واقعات کو بھلانا اور تمدنی آثار اور رجحانات کو اڑا دینا ہے۔ دنیا میں کوئی چیز ایک حالت پر نہیں رہتی اور جب ہم ہی ایک حالت پر نہ رہے تو ہماری زبان کیوں رہنے لگی۔ اور کچھ نہیں تو اگر صرف اس زبان کے الفاظ ہی کو سرسری نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیا کی کتنی قوموں سے (بغیر کسی خاص ارادے کے محض تمدنی اثرات کی وجہ سے) اس کے بنانے میں مدد لیا ہے۔ تو کیا ایک ایسی یادگار کو بگاڑنے کی کوشش کرنا جو بہت دور تک لے جا رہی ہو، جو صدیوں اپنے عہد میں جب کہ زمانہ قدیم کا ایک ایک نشان صفحۂ ہستی سے مٹ چکا ہے۔

اس نہایت مختصر تذکرہ سے میرا مقصد یہ تھا کہ اردو کی صرف و نحو کو سنسکرت یا زبان کے قواعد سے اخذ و مقابلت سے جدا کر کے اردو کی صرف و نحو سے۔ میرا خیال ہے کہ اس زبان کے قواعد لکھتے وقت اس کی خصوصیات کو کبھی نظر انداز نہ کیا جائے اور محض کسی زبان کی تقلید میں اس پر زبردستی قواعد و اصول کے نام سے ایسا بوجھ نہ لاد دیا جائے جس کی وہ متحمل نہ ہو سکے۔ میں نے حتی الامکان اسی اصول کو مدنظر رکھا ہے اور اس امر کی کوشش کی ہے کہ جدھر زبان کا رجحان ہو ادھر اس کا ساتھ دیا جائے۔ کہاں تک وہ اس میں کامیاب ہو سکا ہے یہ تو پڑھنے والے ہی کہہ سکتے ہیں۔ بہرحال کوئی کام کوئی دعویٰ نہیں اور اپنی کمزوریوں سے بخوبی واقف ہوں اس کا بھی یقین ہے کہ کتاب استفادہ [illegible] اور اختلاف کو نہایت شکریہ کے ساتھ [illegible] اور اپنی غلطیوں کی اصلاح کرنے کے لئے تیار ہوں۔

عبدالحق

قواعد اُردو

زبان کیا ہے؟ زبان بھی ایک انسانی عمل یا سعی ہے۔ اس کے دو رُخ ہیں۔ ایک طرف تو یہ عمل اس شخص کی طرف سے ہے جو اپنے دل کی بات دوسرے کو سمجھانا چاہتا ہے۔ دوسری طرف اس شخص کی جانب سے ہے جو دوسرے کے دل کی بھید کی کوشش کرتا ہے۔ یہ دو شخص ہیں جن میں ایک بولنے والا دوسرا سننے والا۔ اگر ہم زبان کی فطرت کو یا زبان کے اس حصے کو صحیح طور پر سمجھنا چاہتے ہیں جس کا زبان اور زبان کے قواعد میں ہوتا ہے تو ہمیں یہ دو شخص اور ان کا باہمی تعلق ہمیشہ نظر رکھنا چاہیے۔

ہم نے جو دو شخصوں یعنے قائل (بولنے والے) اور سامع (سننے والے) کا ذکر کیا ہے تو اس کے یہ معنے ہیں کہ زبان کی ابتدائی صورت وہ ہوتی ہے جو بولنے اور سننے میں آتی ہے۔ اس کے بعد دوسرا درجہ بیان شکلوں کا ہے جو تحریر میں اور پڑھنے میں آتی ہیں۔ جو بول چلنے اور بولے جاتے ہیں ان کو ان اشکال پر جو لکھنے اور پڑھنے میں استعمال ہوتی ہیں

تقدیم اور فوقیت حاصل ہے۔ کیونکہ تحریر کا فن صدہا بلکہ ہزارہا سال کے بعد ایجاد ہوا ہے۔ ایجاد کے بعد بھی تا حد درجہ تحریر خاص خاص حلقوں میں محدود رہی اور اب بھی جب کہ دنیا میں روز افزوں ترقی کر رہی ہے اخبار اور رسالے شائع ہونے میں لکھنے والوں کے مقابلے میں پڑھنے والوں کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔ اگر ہم اپنے خیال میں سب سے مقدم بولنے اور سننے کے عمل کو نہیں رکھیں گے تو ہم اس حقیقت کو بھلا دیں گے کہ تحریر یا تقریر کا قائم مقام ہے تو ہم اس امر کے سمجھنے کے اہل

نہیں ہو سکتے کہ زبان کیا ہے اور اس کی نشوونما کیوں کر ہوئی۔ تحریری نشو و نما کا مدار جس
پر ہے، وہ جب تک کوئی آلہ ہمارے ہاتھ نہ آ جائے، ہم سے رفع نہ ہو سکے گا۔

تحریر میں لفظ ایک ہی صورت اور ایک ہی حالت میں رہتا ہے لیکن بول چال میں
لہجے اور موقع کے لحاظ سے ایک لفظ کی کئی کئی صورتیں ہو جاتی ہیں۔ مثلاً یہ کا لفظ ہے
یہ کہنے میں ہمیشہ اسی حالت میں رہے گا اور ایک ہی لفظ ہے لیکن بولنے میں لہجے
اور موقع کی مناسبت سے دو لفظ کی جگہ ان دو لفظوں میں "یہ کون شخص ہے" یا "اس
کی عمر کچھ سے یہ بڑا سا ہے کچھ"

اس لیے لغت و زبان کے قواعد لکھنے میں کو سب سے اول بول چال کا خیال رکھنا
چاہیے اور اسی سے قاعدے بنانے چاہئیں۔ تو صرف اول درجہ آواز کا ہے اور
اس کے بعد حروف کا۔ پہلے بول چال ہے اور بعد تحریر۔ اس اصول کے لحاظ سے
ہمیں قواعد بول چال کے کم سے کم جز کی جملے سے شروع کرنی چاہئے۔ کیوں کہ کسی
سے ایک شخص دوسرے شخص کے دل کی بات سمجھتا ہے۔ کوئی شخص کسی کی کم سے
کم بھی بات کرنا چاہے تو بھی دو جملے سے کم نہ ہوگی۔ جیسے آئی بات کہ جس سے دوسرا
آدمی اس کا مطلب سمجھ جائے۔ پہلے سے الگ خالی لفظ کوئی خاص معنے نہیں رکھتا کہ
صحیح مفہوم اسی وقت معلوم ہوگا جب وہ کسی بات والے جملے میں آئے گا۔ ورنہ ایک
لفظ کئی معنوں کے لیے آ سکتا ہے لیکن قواعد نویسوں نے آسانی کے خیال سے جملے کے
ٹکڑے کر لیے ہیں۔ پہلے ان سے بحث کریں گے بعد جملوں سے۔ اس کے دو حصے
ہمیں سمجھنے چاہئیں۔

پہلا حصہ: سادہ آوازیں اور ان کی تحریری شکلیں جن کا نام ہجا ہے۔

دوسرا حصہ: ایک سے زیادہ ملی ہوئی آوازیں۔ ان کی تحریری علامتیں الفاظ کہلاتی
ہیں۔ اُن کی قسمیں اور ایک دوسرے کیساتھ آنے سے جو ان میں تغیر

پیدا ہوتا ہے یا ان میں کچھ اضافے سے جو نئی صورت پیدا ہوتی ہے۔ یعنی الفاظ کی تقسیم
گردان اور اشتقاق سے بحث ہوتی ہے۔ اس کا نام صرف ہے۔

تیسرا حصہ: بات چیت یا جملے میں لفظوں کا ایک دوسرے سے اور جملوں کا باہمی
تعلق۔ اسے نحو کہتے ہیں۔

جس طرح ہر شے کا ظاہر اور باطن ہوتا ہے، اسی طرح الفاظ کا بھی ظاہر، باطن
ہوتا ہے۔ ظاہر وہ ہے جس کا تعلق صرف سے ہے یعنی اس میں صرف صورت کی تبدیل
وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے اور لفظ کا باطن اس کا مفہوم اور معنے ہیں۔ اس کی بحث نحو
میں ہوتی ہے۔ اس میں زیادہ تر بحث لفظ کے باطن یعنے اس کے معنے کے لحاظ سے
کی جاتی ہے۔

فصل اوّل

ہجا

سادہ آوازوں کو تحریری علامات میں دینے کا نام حرف ہے۔

ہجا میں حروف کی آواز اور ان کی حرکات و سکنات سے بحث کی جاتی ہے جو حرف کے مجموعہ کو ابجد کہتے ہیں۔

(ابجد کا خلاصہ ابتدائی حروف ا ب ج د سے بنا ہے)۔

چونکہ اردو، زبان ہندی فارسی اور عربی سے مل کر بنی ہے لہٰذا اس میں ان سب زبانوں کے حروف موجود ہیں۔

خالص عربی حروف یہ ہیں،

ث، ح، ذ، ص، ض، ط، ظ، ع، ق۔

یہ حروف قدیم فارسی اور ہندی یا سنسکرت میں نہیں پائے جاتے لیکن قدیم فارسی میں بھی پائی جاتی ہے اور اب بھی فارسی الفاظ سے لکھے جاتے ہیں۔

ٹ، ڈ، ڑ خالص ہندی ہیں۔ عربی فارسی میں نہیں آتے۔

ژ، ف، چ، گ کی آوازیں ہندی میں نہیں۔ عربی فارسی دونوں میں ہیں۔

ژ خاص فارسی حرف ہے۔ ہندی عربی میں نہیں آتا۔

علاوہ ان تین حروف (ٹ، ڈ، ڑ) کے چند اور حروف بھی ہیں جو خاص ہندی ہیں اور عربی فارسی میں نہیں آتے، اب کچھ لوگ ان سادہ حروف نہیں سمجھے جاتے بلکہ ان میں کا ہر حرف دو حرفوں کے میل سے ایک مرکب آواز نکالی جاتی تھی اسکا سبب یہ ہے کہ ابتدا میں ہم نے اپنی بول چال فارسی حروف میں لکھنی شروع کی فارسی عربی میں یہ آوازیں نہیں اور نہ ان کے لیے حروف ہیں۔ ضرورت کے لئے ان آوازوں کو دو حرفوں کے ذریعہ سے ظاہر کرنا پڑا۔ بولوں تو یہ دو سادہ آوازیں ہیں لکھوں تو ایک ہو گئی ہیں۔ وہ حروف یہ ہیں۔

بھ، پھ، تھ، جھ، دھ، ڈھ، ڑھ، کھ، گھ

ان کے علاوہ اردو میں رھ، لھ، مھ، نھ کی آوازیں بھی ہیں۔ ہندی میں ان آوازوں کے لئے کوئی حروف نہیں۔ شاید ہیں ان کی یہ ہیں تیرھواں کو لھو۔ ملھو۔ تمہارا۔ تمھارا۔ ان حروف میں پہلی سادہ آواز دہ ہی آواز کیساتھ ملی کر آتی ہے۔ اس لئے عموماً ہندی الفاظ ادا کرنے کے لئے دو تہجی لکھ لکھتے ہیں۔ خالی کھ اور کہا دونوں علاحدہ علاحدہ لفظ ہیں لفظوں میں بھی اور معنوں میں بھی، لہٰذا ان میں بھی تمیز کرنا چاہیئے۔ یہ امتیاز بہت ضروری ہے۔ اس حساب سے اردو زبان میں کل حروف تہجی بیالیس ہوتے ہیں۔

حروف جو ہر لکھے جاتے ہیں ملفوظ کہے گئے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آوازیں گلے، تالو، دانت اور ہونٹ وغیرہ کے ادا سے اس لکھنے والوں کے منہ سے بہ آسانی نکلتی ہیں دوسرے ملک کے لوگ اسی وجہ سے ان کو ادا نہیں کر سکتے یا بدقت ادا کرتے ہیں۔ انسان کا گلا آلہ موسیقی کے اصول پر بنا ہوا ہے اور اسی طرح یا اس سے بھی بڑھے ہوئے ہیں سانس کے ہوا میں حلق سے زبان، تالو، ہونٹ دانت اور نتھنے وغیرہ کی مدد سے آوازیں مختلف قسم کی مختلف قسم کی بندشیں پیدا ہو جاتی ہیں اردو، فارسی، عربی حروف پر اگر نظر ڈالی جائے تو گویہ دیکھنے میں مختلف

فصل اوّل

ہجا

سادہ آوازوں کو تحریری علامات میں دینے کا نام حرف ہے۔

ہجا میں حرف کی آواز اور ان کی حرکات و سکنات سے بحث کی جاتی ہے جو حرف کے مجموعہ کو ابجد کہتے ہیں۔

(ابجد کا خلاصہ ابتدائی حروف (ا ب ج د) سے بنا ہے)۔

چونکہ اردو زبان ہندی فارسی اور عربی سے مل کر بنی ہے لہٰذا اس میں ان سب زبانوں کے حروف موجود ہیں۔

خالص عربی حروف یہ ہیں،

ث، ح، ذ، ص، ض، ط، ظ، ع، ق۔

یہ حروف قدیم فارسی اور ہندی یا سنسکرت میں نہیں پائے جاتے لیکن قدیم فارسی میں بھی پائی جاتی ہے اور اب بھی فارسی الفاظ ث سے لکھے جاتے ہیں۔

ٹ، ڈ، ڑ خالص ہندی ہیں۔ عربی فارسی میں نہیں آتے۔

ز، ف، غ، چ، کی آوازیں ہندی میں نہیں۔ عربی فارسی دونوں میں ہیں،

ژ خالص فارسی حرف ہے۔ ہندی عربی میں نہیں آتا۔

علاوہ ان تیرہ حروف (ٹ، ڈ، ڑ) کے چند اور حروف بھی ہیں جو خالص ہندی یا عربی فارسی میں نہیں آتے، اب کچھ لوگ ان سادہ حروف نہیں سمجھے جاتے تھے کہ ان میں کا ہر حرف دو حرفوں کے میل سے ایک مرکب آواز خیال کی جاتی تھی ایسا کرنے کا سبب یہ ہے کہ ابتدا میں ہم نے اپنی بول چال فارسی حروف میں لکھنی شروع کی فارسی عربی میں یہ آوازیں نہیں اور نہ ان کے لیے حروف ہیں۔ ضرورت کے لیے ان آوازوں کو دو حرفوں کے ذریعہ سے ظاہر کرنا پڑا۔ اب تو یہ دو سادہ آوازیں ہیں گویا ایک ہو گئی ہیں۔ وہ حروف یہ ہیں۔

بھ، پھ، تھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، ڑھ، کھ، گھ

ان کے علاوہ اردو میں رھ، لھ، مھ، نھ کی آوازیں بھی ہیں۔ ہندی میں ان آوازوں کے لیے کوئی حروف نہیں۔ مثالیں ان کی یہ ہیں تیر چھوں کو لھو۔ لھو۔ تمہارا۔ نھا۔ ان حروف میں پہلی سادہ آواز دہ ہی آواز کیساتھ ملی کر آتی ہے۔ اس لئے عموماً اسے اظہار کرنے کے لئے دو نقطے سے لکھتے ہیں۔ مثلاً کھا اور کہا، وہ علاحدہ لفظ ایسا لفظوں میں بھی اور حرفوں میں بھی، لہٰذا اسے بھی ترقی کرنا چاہیئے۔ یہ امتیاز بہت قدیم ہے۔ اس حساب سے اردو زبان میں کل حروف تہجی پینتالیس ہوتے ہیں۔

حروف جو ہر کلمہ میں ملے ہوئے ہوتے ہیں کہے گئے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آوازیں آپس میں ایسی ملی ہوئی ہیں کہ ان کو الگ الگ کرنا بہت مشکل ہے۔ اس کے بولنے والوں کے لئے تو بہت آسانی ہوتی ہے مگر دوسرے ملک کے لوگ اسی وجہ سے ان کو ادا نہیں کر سکتے یا بدقت ادا کرتے ہیں۔ انسان کا گلا آلۂ موسیقی کے اصول پر بنا ہوا ہے اور اسی طرح پر اس کے اعضا بھی بنے ہوئے ہیں۔ سانس کے ہوا میں حلق سے زبان، تالو، ہونٹ، دانت اور نتھنے وغیرہ کی مدد سے آوازیں مختلف قسم کی مجسمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اردو، فارسی، عربی حروف پر اگر نظر ڈال جائے تو گو وہ دیکھنے میں مختلف

آوازوں کی علامتیں ہیں لیکن ان حروف کے ناموں سے کوئی سادہ آواز پیدا نہیں ہوتی
بلکہ ہر نام سے دو آوازیں۔ مثلاً الف میں ج، م وغیرہ حروف نہیں بلکہ پورے لفظ ہیں۔ ان
سے سادہ آوازوں کا کچھ بھی خیال پیدا نہیں ہوتا بلکہ ایک ایک حرف کئی کئی آوازوں
سے مرکب ہے۔ اس کی وجہ یہ شبہ ہے کہ یہ اس زمانے کی یادگار ہیں جب کسی قسم کی
تحریر ایجاد نہیں ہوئی تھی جو ہم آجکل استعمال کرتے ہیں بلکہ لوگ اپنے خیالات تصویر
بنا بنا کر ظاہر کرتے تھے۔ اول اول تو جس شے کا بیان کرنا مقصود ہوتا تھا اس کی ایسی تصویر
بنا دیتے تھے مثلاً گائے یا عورت کا بتانا مقصود ہے تو گائے یا عورت کی تصویر
کھینچ دیتے تھے۔

دوسرے دور میں یہ اصطلاح ہوئی کہ شے سے اس کا اصل ظاہر کرنے لگے آنکھ
سے نظر یا دودھ کا لفظوں سے دودھ مراد لینے لگے۔

تیسرے دور میں یہ ہوا کہ شے سے اس کی ممتاز خصائص یا ظاہری علامت سے
اصل شے مراد لی جانے لگی مثلاً ورطرف کی تصویر سے مکان یا تخت سے سلطنت مقصود
ہوتی ہے۔

چوتھے دور میں ایک شے کے اجزا میں یہ ترکیب کرنے لگے کہ اس شے کے
بولنے میں جو آوازیں پیدا ہوتی تھیں ان میں سے ہر ایک سے جو مطلوب پیدا ہوتا اس
کی ایک ایک تصویر بنا دیتے تھے۔ مثال کے لئے فرض کیجئے کہ تصویر میں کرنا کلام
مقصود ہے تو پہلے ناخن کی تصویر بنائیں گے کیونکہ کہ کے معنی ناخن کے ہیں اس کے
بعد تل کی۔

بعد ازاں یہ ہوا کہ ہی تصویریں مختلف صوتوں کی قائم مقام ہو گئیں۔ اور اب ہیں
تصویروں کی بدولت یہ حرف ہیں جو اب بھی کسی نہ کسی زبان سے مشابہ ہیں مثلاً الف کے
معنی بیل کے سر کے ہیں۔ چونکہ اکی آواز اس لفظ کے آغاز میں تھی تو اس آواز کے

ظاہر کرنے کے گائے کا سر بنا دیتے تھے (عربی الف کی تصویر اب بھی اصل سے
بہت کچھ مشابہت باقی ہے) بعد ازاں محض یہ لفظ بجائے الف کی پہلی آواز کے تصویر
میں کام صرف قرار پایا۔ یہیں یہ دیکھنا ہے کہ زمانہ عربی عبرانی زبانوں کے حروف تہجی
اسی طرح پیدا ہوئے ہیں یا ہر حرف کسی آواز کا مجموعہ ہے۔ اس میں دو احتمال ہیں عمل میں آئے۔ تصویر
یا تو مختصر کی صورت میں رہ گئی۔ نام اس کا اگرچہ قریب قریب وہی رہا مگر وہ مختصر
تصویر اب اس کی بجائے نہیں بلکہ اس نام میں جو آواز پہلے سنی جاتی ہے اس کی بجائے ہے
(مثلاً الف کو لیجئے اس کی صورت گائے کا سر مختصر ہو کر رہ گئی ہے۔ اور الف
کے بولنے میں جو سب سے پہلے سادہ آواز نکلتی ہے۔ اس جگہ استعمال ہوتی ہے۔

اس طریق پر درحقیقت بیت سے جس کی ابتدائی شکل ایک مستطیل مکان کی سی
تھی اس کے نیچے نقطہ ایک شخص خانہ مکان کے دروازے کے سامنے بیٹھا تھا۔
بعد ازاں اس کی شکل ایک بڑی کھیر ہو گئی اور وہ آدمی نقطہ رہ گیا۔

ج (جمل) معنی اونٹ ہے۔ اگر کوئی شکل اونٹ پر سوار ہو اور اس کی آنکھیں نہ دکھائی
گئی ہوں تو اس کے سر اور گردن کی شکل بعینہٖ ج کی سی ہو جائے گی۔

ب (بیت) عبرانی میں گھر کے معنی ہیں ہے۔

د (عبرانی دالت) دروازہ

ہ دیکھنا

ع (عین) کے معنی آنکھ کے ہیں چنانچہ (ع) کا سر بالکل آنکھ کے مشابہ ہے۔

ن (نون) مچھلی۔ مشابہت ظاہر ہے۔

ک (کف ہتھیلی) اگر ہتھیلی پھیلائی جائے تو انگلیاں کھنچنے کے ساتھ مل کر بالکل
اس کی صورت بن جاتی ہیں۔

م (میم پانی کی لہر) صورت سے ظاہر ہے۔

ص عبرانی میں دانت کو کہتے ہیں اس کا دندانہ دانت کے مشابہ ہے۔

آوازوں کی علامتیں ہیں لیکن ان حروف کے ناموں سے کوئی سادہ آواز پیدا نہیں ہوتی
بلکہ ہر نام سے دو آوازیں۔ مثلاً الف میں جیم وغیرہ حروف نہیں بلکہ پورے لفظ ہیں۔ ان
سے سادہ آوازوں کا کچھ بھی خیال پیدا نہیں ہوتا بلکہ ایک ایک حرف کئی کئی آوازوں
سے مرکب ہے۔ اس کی وجہ یہ شبہ ہے کہ یہ اس زمانے کی یادگار ہیں جب کہ اس قسم کی
تحریر ایجاد نہیں ہوئی تھی جو ہم آجکل استعمال کرتے ہیں بلکہ لوگ اپنے خیالات تصویر
بنا بنا کر ظاہر کرتے تھے۔ اول اول تو جس شے کا بیان کرنا مقصود ہوتا تھا اس کی پوری تصویر
بنا دیتے تھے مثلاً گائے یا عورت کا بنانا مقصود ہے تو پورے گائے یا عورت کی تصویر
کھینچ دیتے تھے۔

دوسرے دور میں یہ اصلاح ہوئی کہ شے سے اس کا اصل ظاہر کرنے لگے آنکھ
سے نظر یا دودھ کا مٹکوں سے دودھ مراد لینے لگے۔

تیسرے دور میں یہ ہوا کہ شے سے اس کی ممتاز خصائص یا ظاہری علامت سے
اصل شے مراد لی جانے لگی مثلاً ورش کی تصویر سے مکان یا تخت سے سلطنت مقصود
ہوتی ہے۔

چوتھے دور میں ایک شے کے اجزاء میں یہ ترکیب کرنے لگے کہ اس شے کے
بولنے میں جو آوازیں پیدا ہوتی تھیں ان میں سے ہر ایک سے جو مفہوم پیدا ہوتا اس
کی ایک ایک تصویر بنا دیتے تھے۔ مثال کے لئے فرض کیجئے کہ تصویر میں کنوال علم
مقصود ہے تو پہلے ناؤ کی تصویر بنائیں گے کہ کو کہ کنوئیں کو ناؤ کہتے ہیں اس کے
بعد تل کی۔

بعد ازاں یہ ہوا کہ ان تصویروں میں مختلف اصوات کی قائم مقام ہو گئیں۔ اور اب ان
تصویروں کی بجائے یہ حرف ہیں جو اب بھی کسی نہ کسی طرح سے مشابہ ہیں مثلاً الف کے
معنی بیل کے سر کے ہیں۔ چونکہ اس کی آواز اس لفظ کے آغاز میں تھی تو اس آواز کے

ظاہر کرنے کے گائے کا سر بنا دیتے تھے (عربی الف کی تصویر میں اب بھی اصل سے
کچھ نہ کچھ مشابہت باقی ہے) بعد ازاں محض یہ لفظ بجائے الف کی پہلی آواز کے تصویر
میں استعمال فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ زمانہ عربی عبرانی زبانوں کے حروف حقیقت
میں اپنا اپنا ہیروگلیف کی آوازوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں دو اصطلاحیں عمل میں آئیں۔ تصویر
بالکل مختصر کی صورت میں رہ گئی۔ نام اس کا اگرچہ قریب قریب وہی رہا مگر وہ مختصر
تصویر اب اس کی بجائے نہیں بلکہ اس نام کی جو آواز پہلے سمجھی جاتی تھی اس کی بجائے ہے
(الف کو لیجئے اس کی صورت گائے کا سر اختصار ہو کر رہ گئی ہے۔ اور الف
کہنے سے جو سب سے پہلے سادہ آواز نکلتی ہے۔ اس جگہ استعمال ہوتی ہے۔

اس طریق سے درحقیقت بیت سے جس کی ابتدائی شکل ایک مستطیل مکان کی سی
تھی اس کے نیچے نقطہ ایک شخص ظاہر مکان کے دروازے کے سامنے بیٹھا تھا
(بعد میں اس کی شکل ایک بڑی لکیر ہو گئی) دروازہ۔ آدمی نقطہ رہ گیا۔

ا اصل معنی اونٹ ہے۔ اگر کوئی شخص اونٹ پر سوار ہو اور اس کی آنکھیں نہ دیکھ
سکیں تو اس کے سر اور گردن کی شکل بعینہٖ الف کی سی ہو جائے گی۔

ب (الف) عبرانی میں گھر کے معنی میں ہے۔

د (عبرانی دالت) دروازہ

ہ دیکھیے

ع (عین) کے معنی آنکھ کے ہیں چنانچہ (ع) کا سر بالکل آنکھ کے مشابہ ہے۔

ف (فاء) مچھلی۔ مشابہت ظاہر ہے۔

ک (کف ہتھیلی) اگر ہتھیلی پھیلائی جائے تو انگلیاں کھنچے کے ساتھ مل کر بالکل
اس کی صورت بن جاتی ہیں۔

م (میم) پانی کی لہر کی صورت سے ظاہر ہے۔

ص عبرانی میں دانت کو کہتے ہیں (ص) کا دندانہ دانت کے مشابہ ہے۔

و ر دا وغیرہ کے معنی آنکھ سے دیکھنے کے ہیں جس کی صورت دیکھ لی جائے۔

غرض اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ہمارے حروف دراصل الفاظ ہیں جو دو یا دو سے زائد آوازوں سے مرکب ہیں اور ہر ایک، خواہ وہ اپنی اصل یعنی اکائی کے ایک حالت میں مفرد کر دیا گیا ہے۔ مثلاً الف، ب، ت میں آوازیں ملی ہوئی ہیں مگر جب اس کے بولنے میں جو آواز پہلے نکلتی ہے اس کی جگہ سے الگ کر لیا گیا ہے۔ اسی طرح دوسرے حروف کے متعلق قیاس کر لیا جائے۔ ابتدا میں اس سادہ آواز کے لئے اس شے کی صورت بنا دی جاتی تھی مگر اب ایک چھوٹی سی علامت ہر کسی قدر اصل کے ملتا جلتا ہے۔ جس سے اس آواز کے متعلق ہے اور تمام انہی کے قریب قریب دیکھی ہیں جو اصل اختیار کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض حروف بھی ہوتے ہیں جو حقیقت الفاظ ہیں۔

اُردو حروف (تہجی) کو اگر بچپن ہی سے ان اصوات میں ہر قسم کی آواز کو ادا کرنے کی عادت ہے اور اس خیال سے اُردو، انجمن کو دنیا کی بہت سی زبانوں پر ایک طرح کا تفوق حاصل ہے۔ مگر دنیا کی کوئی انجمن کامل نہیں ہے۔ ایک نہ ایک نقص ضرور رہ جاتا ہے۔ یا تو کل سادہ آوازوں کے ادا کرنے کے لئے کوئی حروف ہیں ہوتے یا ایک ہی آواز کے لئے کئی کئی حروف ہوتے ہیں۔ کہنے کو اُردو زبان بھی اس سے خالی نہیں۔ چنانچہ یہ آخری نقص اُردو زبان میں بھی پایا جاتا ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ اُردو کو علاوہ فارسی کے عربی سے بھی تعلق ہے اس لئے کثرت سے اس کے الفاظ زبان میں موجود ہیں اور اس وجہ سے لاچار اس کے تمام حروف تہجی اُردو، انجمن میں آگئے، اور عربی ادا کی صحت تحریر میں قائم رہی۔ چنانچہ ز، ذ، ض، ظ، چار الگ حرف ہیں جن کی آواز قریب قریب یکساں معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح س، ث، ص، ط اور ہ، ح، اگر عربی کا لہجہ یا وہ نقص جو تلفظ کی صحت کا خاص طور پر خیال رکھتے ہیں ان حروف کے تلفظ میں فرق کر لے مگر ہر ایک کے لئے اس کا امتیاز، ظاہر ہے اور بول چال میں عام طور پر ان حروف کے تلفظ میں کچھ زیادہ فرق نہیں پایا جاتا۔

اعراب (یا حرکات و سکنات)

سادہ آوازوں کو ہم یا تکلف بولنے اور زبان کی مدد سے ملا کر مرکب کر لیتے ہیں اور اس طرح فرسٹے سے بولتے چلے جاتے ہیں جیسے کسی نے کل کو دی۔ زبان اور لب کی ذرا سی جنبش سے آواز کی مختلف صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ آواز کا پھیلنا، سمٹنا، اٹھنا، گھومنا، گول ہو جانا، سب اسی پر منحصر ہے۔ ان تمام آوازوں کو مستقل لکھنا تحریر میں دشوار بلکہ نہایت مشکل ہے۔ گو یہ بہت کوشش کی گئی لیکن اب تک کامیابی نہیں ہوئی۔ بعض زبانوں خصوصاً سنسکرت انگریزی وغیرہ میں سادہ آوازوں کو ادا کرنے کے لئے جو علیحدہ اب دنیا کر ہوتی ہے اس کے لئے بعض حروف مناسب قرار دیے ہیں اور جہاں دو یا دو سے زیادہ حروف کا ملنا منظور ہوتا ہے وہاں ان میں سے بعض آوازوں کے لئے ایک ایک حرف ضرور آتا ہے۔ اس لیے اس کمی کو پورا کرنے میں حروف کی دو قسمیں کی گئی ہیں ایک وہ حروف جو دو یا زیادہ سادہ آوازوں کو ملا کر تمام کرنے کے لیے آتے ہیں جنہیں عربی میں حروف علت کہتے ہیں اور دوسرے جو علیحدہ حروف کے آپس میں مل کر آواز پیدا نہیں کر سکتے، وہ حروف تہجی کہلاتے ہیں۔

اردو میں مثل عربی کے حروف علت دو قسم کے ہیں۔ ایک محض علامات (یا اعراب) دوسرے اصل حروف (و، ی)۔ اعرابی علامات بھی درحقیقت انہیں حروف کی مختصر صورتیں ہیں۔ تفصیل یہ ہے۔

زبر (جسے عربی میں فتحہ کہتے ہیں جس کے معنے کھلنے کے ہیں یعنی آواز کھل کر نکلتی ہے) اوپر کے معنے اوپر کے ہیں۔ چونکہ یہ علامت حروف کے اوپر آتی ہے اس لیے اوپر کہتے ہیں۔ اس آواز کو ادا کرتے سے الف کی آواز پیدا ہوتی ہے، یا یوں کہنا

چاہیے کہ الف کی خفیف آواز زبر ہے، جیسے مرا اصدار۔

زیر۔ (جسے عربی میں کسرہ کہتے ہیں) جس کے منہ توڑنے کے بعد کچھ اس کے آنے سے آواز میں ایک قسم کی شکن پیدا ہوتی ہے۔ زیر کے معنے نیچے کے ہیں کیونکہ یہ حرف کے نیچے لگایا جاتا ہے۔ اس کی آواز خفیف ی کی سی ہوتی ہے۔ لیکن ی کے ساتھ آنے سے دو قسم کی آوازیں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک زیادہ باریک اور لمبی اور دوسری کسی قدر واضح اور کھلی ہوتی۔ جیسے میرا (جس کا نام) اور میرے (بہادر) جہاں کی دو حالتیں ہیں۔ پہلی حالت میں یائے مجہول[1] ہے اور دوسری حالت میں یائے جہل (معروف) ہے۔ یائے معروف کو ای بھی لکھا جاتا ہے اور یائے مجہول لمبی پڑی ہوئی (ے)۔ یائے مجہول اور یائے معروف جب کسی لفظ کے بیچ میں آتی ہیں تو ان کی صورت ایک سی ہوتی ہے۔ اس لئے امتیاز کے لئے یائے معروف کے نیچے زیر دے دیتے ہیں اور یائے مجہول خالی رہتی ہے۔

پیش[2] (جسے عربی میں ضمہ کہتے ہیں) جس کے منہ کھلنے کی ہیئت پر غور کرنے سے سامنے یا آگے کہے ہیں۔ یہ حرف کے اوپر آتا ہے اور خفیف واؤ کی آواز دیتا ہے جس کی طرح واؤ کی بھی دو آوازیں ہیں۔ ایک لمبی اور بھری ہوئی اور دوسری کھلی اور ہلکی۔ پہلی کو واؤ معروف اور دوسری کو مجہول کہتے ہیں۔ جیسے دیر اور ڈور۔ واؤ

---

[1] یائے مجہول اور واؤ مجہول کی آواز عربی میں نہیں آتی۔ اس لیے عربوں نے اس کو ہمیشہ مجہول رہنے دیا۔ معلوم نہ لکھنے لیکن اردو میں یہ آوازیں مجہول یا نامعلوم ہیں رہیں۔ اس لئے یہ نام معقول نہیں معلوم ہوتے مگر اس قدر کثرت سے مستعمل اور مشہور ہیں کہ دوسرے نام اگر رکھے بھی جائیں تو ان کا رواج پانا مشکل ہے۔ [2] عربی نام ضمہ جس سے معمول ہے۔ اس لیے اس کو ضمہ ہی لکھا ہے۔ اس طرح ہم نے دوسرے اعراب کے نام بھی عربی ہی رکھے ہیں۔ کیونکہ ان کے لئے کوئی مناسب اردو نام نہیں ہے۔

حروف پر اوپر پیش کھتے ہیں اور واؤ مجہول خالی رہتی ہے۔

الف۔ (جسے عربی میں ہمزہ کہتے ہیں) الف جب لفظ کے شروع میں آتا ہے تو ہمیشہ حرف صحیح ہوتا ہے۔ اور جب لفظ کے شروع میں یا درمیان میں آتے اور متحرک ہو جیسے واحد، ابرا، تو حرف صحیح ہوگی۔ کبھی کبھی یہ حالت جیسے آخر کے شروع میں یا بستر کے درمیان۔ یعنی جب اعراب کا یا آواز کے خفیف ہے پڑھا جانے کا کام دیتے ہیں تو حروف علت ہوتے ہیں ورنہ معمولی زبر کی طرح حروف صحیح۔

واؤ۔ زبر الف کے ساتھ زیر (ی) کے ساتھ اور واؤ ش کی کیب تھ آتی ہے اور اپنا آواز کے ان کا جوڑ بھی ہے لیکن بعض اوقات ایسا نہیں ہوتا بلکہ مختلف حرکتیں کی ہوتی ہیں۔ شکل زیر اور واؤ ایک جگہ آجاتے ہیں۔ جیسے قوم میں ایسی حالت میں مختلف حرکتیں ایک ہی آواز دیتی ہیں۔ ایسے واؤ پر یہ علامت لکھی جاتی ہے۔ اس حالت ہی کی بھی ہے جیسے تیر ہیں۔ ایسی واؤ یائے کو مائل لین کہتے ہیں۔ یعنی وہ بھی یا واؤ جس کے پہلے زبر ہے یا مائل لین جب آخر میں آتے تو آدھی لکھی جاتی ہے۔

جب کوئی حرف بغیر آواز دیتا ہے تو بجائے دوبار لکھنے کے صرف ایک ہی بار لکھتے ہیں اور اس پر ایک علامت لگا دیتے ہیں۔ اس علامت کو تشدید (ّ) کہتے ہیں۔ تشدید کو آواز کے لحاظ سے جانتے مدت لکھنے کے دو پڑتے ہیں۔ مگر تشدید اپنا اس سے مقصد حل ہو جاتا ہے جس حرف پر تشدید ہوتی ہے "اس پر دوہرے حرف کے برابر زور پیش میں سے کوئی علامت حرف ہوتی ہے تاکہ پڑھنے والے ان سے دہری آواز نکال جائے لیکن جب تشدید کی یا واؤ پر ہوتی ہے تو ضمہ کے پہلے جز کی حرکت کو گمان پڑتا ہے اور وہ ضمہ صحیح ادا نہیں ہوتا شوق تیز۔ اگر معمولی

طور سے دونوں جزو (ہی) کے ساتھ الگ الگ برتے جائیں تو یہ لفظ ہی
نہ ہوگا۔ اسی طرح آب وغیرہ الفاظ ہیں۔

جزم یا سکون (ـْ)۔ سکون کے معنی خاموشی کے ہیں۔ جس حرف پر یہ علامت
ہوتی ہے بولتے ہیں اسے کوئی حرکت نہیں دیتے۔ جب کسی حرف پر کوئی زبر زیر یا
پیش نہ ہو تو ایسے حرف کو ساکن کہتے ہیں۔ اردو میں ہر لفظ کا آخری حرف ساکن
ہوتا ہے۔

مدہ (ـٓ) الف جب کھینچ کر بولتے یا پڑھتے ہیں تو اس الف اس پر یہ علامت
لگا دیتے ہیں جیسے آم۔ ایسے الف کو الف ممدودہ کہتے ہیں۔ مد کے معنے لمبا کرنے
یا کھینچنے کے ہیں۔

ہمزہ (ء) اسے غلطی سے حرف ہی شمار کر لیا گیا ہے۔ یہ درحقیقت ہی
اعراب کا کام دیتا ہے جو حرف کے ساتھ۔ جیسے جہاں ہا کی آواز کھینچ کر
نکالنی پڑے اور قریب نکالنا ہی ہو جہاں ہا کی آواز معمولی سے بڑھ کر
نکالی جائے وہاں بطور علامت کے اوپر لکھ دیتے ہیں۔ یہ ہمیشہ ہی یا وہ کے
ساتھ آتا ہے جیسے کہی، کہاؤں۔ الف ممدودہ شروع میں آتا ہے اور
بعض عربی الفاظ میں درمیان میں بھی لیکن ہمزہ ہندی الفاظ میں ہی یا واؤ کے
شروع میں آتا ہے۔ بعض جگہ یہ ہی کا کام مقام ہوتا ہے جیسے پائیاں۔ کبھی عربی
الفاظ میں خفیف الف کی آواز دیتا ہے جیسے ہیئت۔ جائز۔ ایک ہی پر جو آخر
میں آتی ہے جو لکھنا درست نہیں۔ جیسے رائے، لائے، میں۔ ان میں ئی کی آواز
کافی ہے۔ لیکن آئے، جائے، آئیے، جائیے، میں ہمزہ کا لکھنا لازم ہے، کیوں کہ
اس قسم کے الفاظ میں ہمزہ کے تحریر میں نہ آنے سے لفظ ادا نہیں ہوتا۔

خوبی دشد ہے ۱ اس کے معنے قرآن کی آواز پیدا کرنے کے ہیں۔ یہ حرف

کی آواز کے آخر میں آتی ہے۔ جب یہ علامت کسی حرف پر ہوتی ہے تو اس کے
ادا میں اس کی آواز بھی ہے جیسے ڈ، اٹھاتا، نسلی اور نسلی، ٹ، ٹ اب۔ جب نون
کو ساکن زبر کی آواز نکالنی مقصود ہوتی ہے تو دو زبر رکھتے ہیں اور زبر کی آواز کے
لیے دو زبر اور پیش کے لیے دو پیش۔ اردو میں زیادہ تر زبر ہی کی تنوین آتی ہے۔
زبر کی تنوین میں لفظ کے آخر میں الف بڑھا کر تنوین لگاتے ہیں جیسے اتفاقاً
واقعاً۔

اگر لفظ کے آخر میں پہلے سے الف ہو تو اس کے بعد ہ بڑھا کر تنوین لگاتے ہیں
جیسے ابتدائہ۔

نوٹ: ان علامات کو اعراب اس لیے کہتے ہیں کہ ان سے عربی حرف
کی اعراب سمجھے جاتے ہیں۔ اعراب سے یہ مطلب ہے کہ کسی پر لفظ
میں سے کسی علامت کا لگانا۔ انہیں حرکات بھی کہتے ہیں کیونکہ
ان علامات سے آواز میں حرکت پیدا ہوتی ہے لیکن ہیں یہ کہ
جزم سے سکون پیدا ہوتا ہے اس لیے پورا نام حرکات سکنات
ہے۔ اعراب کا لفظ مختصر ہونے کی وجہ سے زیادہ مناسب ہے
جس حرف پر کوئی حرکت ہوتی ہے اسے متحرک کہتے ہیں۔

۱ واؤ کی چند لفظ ایسے ہیں کہ ان میں واؤ ساکت ہوتی ہے یعنی لفظ میں ظاہر
نہیں کی جاتی، اسے واؤ معدولہ کہتے ہیں۔ مگر یہ واؤ ہمیشہ ح کے بعد آتی ہے۔ ایسے
لفظ بہت کم ہیں اور وہ یہ ہیں خود، خوش، خوب، خوش، خوش، خوش، خوش، خوش، خوش
واقعہ بنے ہیں)، خواندن (واحد اس سے جو لفظ بنے ہیں) لیکن خواب، خواہش، خواجہ
(واحد اس سے جو لفظ بنے ہیں) خواجہ سرا، خواجہ۔ خواندن (اسم کلام) میں واؤ کی تلفظ آتا
ظاہر ہوتی ہے۔ اس قسم کی واؤ کے بعد الف ہوتا ہے۔ انگریزی میں یہ بعض لفظ ایسے

ہمارا کان میں تو پورا واؤ کا تلفظ ادا ہوتا ہے مثلاً پیش کا۔ انگلی حالت بہت کچھ اردو کے مشابہ ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کے صحیح تلفظ کے لیے اسی قسم کی واؤ کا استعمال مناسب ہوگا۔ اس قسم کی واؤ کے نیچے ایک چھوٹا سا خط کھینچ دیا جاتا ہے تاکہ امتیاز ہو سکے۔

۲۔ اردو میں بعض الفاظ ایسے ہیں جہاں واؤ بجائے پیش کے استعمال کی جاتی تھی لیکن اب وہ متروک ہوتی جاتی ہے۔ مثلاً اوس (بجائے اُس)، پوچھنا (بجائے پُوچھنا)، پورا (بجائے پُورا)، بجھنا (بجائے بُجھنا) وغیرہ۔ بعض لوگ لکھ جاتے ہیں۔

۳۔ (ف) کی درمیانی حرکتیں چونکہ ایک تو جب اس کی آواز پوری ادا ہو جیسے پان، گیان، دھیان میں۔ دوسرے جب پورے طور پر ادا نہ ہو بلکہ کسی قدر ناک میں گنگنی سی آواز نکلے (ایسی حالت میں اکثر نون غنہ لگتے ہیں۔ جیسے ہاں، کنواں، سانپ، اینٹ، ہنسنا وغیرہ میں۔ نون غنہ جب آخر میں آتا ہے تو اس پر اکثر جزم لگایا جاتا ہے (ں)۔

۴۔ نون غنہ کا استعمال زبان میں عام طور پر ہے اور یہ اکثر حروف کے ساتھ آتا ہے۔ جب یہ بیچ میں آتا ہے تو اپنے پیچھے حرف سے مل کر ایسی آواز پیدا کرتا ہے کہ جیسے دونوں کی طرح ایک آواز معلوم ہوتی ہے جیسے ہنسنا، کنواں وغیرہ۔

۵۔ بعض الفاظ میں ی بھی اپنے پہلے حرف کے ساتھ اس طرح مل کر پڑھی جاتی ہے کہ وہ دونوں ایک آواز معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے کیا، کیاری، پیارا، دھیان، چیونٹی، گیارہ۔ اس کا نام ہم نے یائے معدولہ رکھا ہے۔ امتیاز کے لیے اس کے اوپر یہ (ی) نشان لگا دیتے ہیں۔

۶۔ الف مصدودہ تو وہ ہے جس کی آواز کھینچ کر نکالی جاتی ہے۔ جیسے آم میں الف مقصورہ وہ ہے جس کی آواز ساوی ہوتی ہے اور کھینچنا نہیں پڑتا۔ جیسے (اب) میں۔ بعض عربی الفاظ ایسے ہیں کہ ان میں الف مد کی صورت میں لکھا جاتا ہے جیسے

آلہ اور دعوی میں۔

۷۔ بعض فارسی حروف کے آخر میں ہ لگی ہوتی ہے یہ اصل لفظ کا جز نہیں ہوتی بلکہ زائد ہوتی ہے اس کا تلفظ زبر کا سا ہوتا ہے۔ گویا یہ اعراب کا کام دیتی ہے جیسے (جلتہ، روزہ ــــ ایسی ہ کو ہائے مختفی کہتے ہیں۔

۸۔ عربی زبان کے لیے لفظ بن میں دوسرا حرف ج ساکن ہو اور اس سے پہلے حرف پر زبر ہو۔ تو اردو بول چال میں زبر نہیں بولا جاتا بلکہ اس کی آواز زیر کے مشابہ ہوتی ہے جیسے احمد، مجلس، لعل، محمود وغیرہ میں۔

۹۔ عربی میں امتیاز و خصوصیت کے لیے اسما پر ال، لگا دیتے ہیں۔ بعض حروف ایسے ہیں کہ ان کے پہلے ال آتا ہے تو لفظ میں ظاہر نہیں کیا جاتا اور لفظ کا اول حرف مشدد پڑھا جاتا ہے۔ جن حروف کے شروع میں ال نہیں پڑھا جاتا انہیں حروف شمسی کہتے ہیں۔ یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ جب شمس کے پہلے ال لگایا جاتا ہے تو ل کی آواز ظاہر نہیں کی جاتی (الشمس)۔ اور جن حروف میں ان کی آواز لفظ میں ظاہر کی جاتی ہے انہیں حروف قمری کہتے ہیں (کیوں کہ قمر پر جب ال لگائیں گے تو ل کی آواز لفظ میں ظاہر کی جاتی ہے) انہیں حروف قمری کہتے ہیں کیونکہ قمر پر جب ال لگائیں گے تو ل کی آواز ظاہر کی جاتی ہے۔ (القمر)۔ اس کا استعمال صرف عربی الفاظ کے ساتھ عربی قواعد کی رو سے ہوتا ہے۔ چونکہ اردو میں ایسے الفاظ اکثر آتے ہیں لہٰذا اس کی تصریح یہاں کر دی جاتی ہے

حروف قمری

ا۔ جیسے ابدان۔ نباش الاول۔ ب۔ غیب الغیبان۔ ج۔ عبدالجلیل۔ ح۔ عبدالحی۔ خ۔ مراۃ الغیاں۔ ع۔ نورالعین۔ غ۔ امداد الغائب۔ ف۔ سرتیا اعظم۔ ق۔ صادق القول۔ ک۔ بالکل۔ ل۔ الوا۔ م۔ بیت المال۔ و۔ کتاب الواقعہ۔ ہ۔ یوالہوس۔ ی۔ الیوم۔

حروف شمسی

د - ظفر الدین - یوم الدین - ذ - ما سبب الذکر - ر - ابو دین الرئیس - ز - بطل الزمان - س - ش السلطان - ش - الشمس - ص - الصبر - ض - الضالین - ط - جبل الطارق - ظ - الظاہر - ن - ذو النورین - النوم -

۱۔ حروف سے جب الفاظ بنائے جاتے ہیں تو حرف کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک شروع میں، دوسری بیچ میں، تیسری آخر میں۔ بعض حروف کی تین سے بھی زیادہ صورتیں ہوتی ہیں۔ مثلاً میم لفظ کے شروع میں جیسے مور، بیچ میں جیسے دھواں جیسے محمد، آخر میں جیسے یم۔ بعض حروف شروع میں نہیں آتے یہ حروف ا - د - ذ - ر - ز - و - ہیں۔ جب کسی لفظ میں ان حروف کے بعد کوئی دوسرا حرف لکھا ہو تو الگ لکھا جائے گا۔ جیسے سورج، ابال، اندر، دیکھو۔ جب ان حروف میں سے چند حروف مل کر لفظ بنتے ہیں تو سب الگ الگ لکھے جاتے ہیں جیسے درد۔ دودھ وغیرہ۔

۱۔ اردو تحریر میں (شکل نظر فارسی کی) یہ عجیب بات ہے کہ الفاظ میں حروف پورے نہیں لکھے جاتے بلکہ ہر حرف کے لیے صرف چھوٹا سا نشان بنا دیتے ہیں اس طرح پر الفاظ نہایت مختصر ہو جاتے ہیں۔ بخلاف دوسری زبانوں کے جن کے لکھنے میں بہت طول ہو جاتا ہے اور وقت بھی زیادہ صرف ہوتا ہے۔ یہ طرز تحریر نہایت سہل اور مہذب ہے۔ مختصر نویسی کا دارومدار بڑی حد تک اسی طرز پر ہے۔ جو لکھا جاتا ہے وہ بعد میں صرف اسی سے مرتب ہوتا ہے۔ ایک مشاق لکھنے والا مقرر کی تقریر کو بخوبی قلم بند کر سکتا ہے۔ یہ خوبی درحقیقت بہت کچھ قدرتی اور دوسری زبانوں کے لئے تو ناممکن ہے۔

فصل دوم

صرف

صرف میں الفاظ سے بحث ہوتی ہے۔ الفاظ گفتگو میں آتے ہیں اور اس کی اصل کہتے ہیں کلمہ ہے۔ کلمہ جملے کا کم از کم جز ہوتا ہے۔ ہر کلمہ کے کچھ نہ کچھ معنے ہوتے ہیں۔ جس کے اس سے صحیح معنے بول چال یا جملے میں آنے سے معلوم ہوتے ہیں۔ بعض کلمہ بے معنی بھی ہوتے ہیں لیکن ان کا تعلق قواعد سے نہیں ہے۔ قواعد میں صرف (ا) الفاظ سے بحث کی جاتی ہے۔ لفظ کی ہیئتیں اور صورتیں مختلف ہوتی ہیں کبھی اس کی بناوٹ اور صورت کچھ ہوتی ہے اور کبھی کچھ۔ ہم بول چال یا لکھنے میں لفظ استعمال کرتے ہیں اور وہ ہمیں کچھ نہ کچھ مفہوم بتاتے ہیں اور اس لحاظ سے کہ وہ ہمیں کیا بتاتے ہیں۔ اس کی کیا صورت اور حالت ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

اول مستقل جو اپنی ذات سے پورے معنی رکھتے ہوں،

دوم غیر مستقل جو اپنی ذات سے پورے معنی نہ رکھتے ہوں جب تک وہ کسی دوسرے کلمہ کے ساتھ مل کر نہ آئیں۔ مستقل الفاظ کی پانچ قسمیں ہیں

(۱) اسم وہ لفظ ہے جو کسی جاندار یا شے یا کیفیت کا نام ہو۔

(۲) صفت وہ لفظ ہے جس سے کسی اسم کی کیفیت یا حالت معلوم ہو۔

(۳) ضمیر وہ لفظ ہے جو بجائے اسم کے استعمال ہوتا ہے۔

(۴) فعل جو فاعل یا صفت یا دوسری چیز کے ساتھ مل کر کسی کام کے ہونے یا کرنے کی حالت بتائے۔

(۵) غیر مستقل الفاظ کو حروف کہتے ہیں جن کی چار قسمیں ہیں (۱) ربط (۲) عطف (۳) تخصیص (۴) تعجب۔

۱۰ اسم

اسم وہ لفظ ہے جو کسی کا نام ہو

اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) خاص (۲) عام۔

خاص۔ کسی خاص شخص، شے یا مقام کا نام ہے مثلاً علی، لاہور، انگلستان، گنگا۔

عام وہ اسم ہے جو ایک قسم کے تمام افراد کے لیے فرداً فرداً استعمال ہو سکے جیسے آدمی، گھوڑا، درخت، شہر۔

اسم خاص

اسماء خاص کے اصناف بھی کئی قسم کے ہوتے ہیں مثلاً

(۱) خطاب۔ نام جو بادشاہ یا سرکار دربار سے اعزازی طور پر ملتا ہے جیسے اقبال الدولہ، حماد الملک۔

(۲) لقب۔ ایسا وصفی نام جو کسی خصوصیت یا وصف کی وجہ سے پڑ گیا ہو جیسے مرزا نوشہ لقب ہے اسد اللہ خاں غالب کا۔ یا یکم اللہ لقب ہے حضرت عمرؓ کا۔

(۳) عرف وہ نام جو محبت یا مقارنے کی وجہ سے پڑ جائے، اصل نام کا اقتضا لوگوں کی زبان زد ہو جائے جیسے چنو، کلن، فرد، اچھے میاں۔

(۴) تخلص ایک مختصر نام جو شاعر نظم میں بھرتی سے اصلی نام کے ساتھ شامل کر دیتے ہیں۔ مثلاً غالب تخلص ہے مرزا اسد اللہ خاں کا۔ حالی تخلص ہے مولانا الطاف حسین کا۔

اس کے علاوہ ممالک، صوبجات اور پہاڑوں، دریاؤں، سمندروں، جزائر، ستاروں، علوم و فنون، امراض وغیرہ کے نام سب اسم خاص ہوں گے۔

بعض اوقات اسم خاص اسم کی صفت کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے رستم حاتم وغیرہ۔ مثلاً یوں کہیں گے کہ وہ شخص اپنے وقت کا حاتم ہے یا رستم ہند ہے یا

کوئی شخص نیس یا فرہاد ہے یا وہ مجنوں یا کالی داس ہے ایسے موقعوں پر رستم سے پہلوان، حاتم سے بڑا سخی، نیس و فرہاد سے بڑے عاشق، مجنوں و کالی داس سے بڑے شاعر مراد ہیں۔

اسمائے عام کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ عام اسم۔ ۲۔ اسم کیفیت۔ ۳۔ اسم جمع۔

اسم کیفیت

وہ ہے جس سے کسی شے یا شخص کی کوئی خاص حالت یا کیفیت معلوم ہوتی ہو جیسے تلخی، روشنی، صحت، اسہال

اسمائے کیفیت دو چیزیں ظاہر کرتے ہیں۔

اول حالت جیسے صحت، بیماری، رفتار، پیچ، جھوٹ۔

دوم وصفی کیفیت مثلاً درد، خوشی، مطالعہ

اسمائے کیفیت کیوں کر بنتے ہیں۔

(۱) بعض افعال سے بنتے ہیں مثلاً جلن، گھبراہٹ، دین دین۔

(۲) بعض صفت سے بنتے ہیں مثلاً تری، خوشی، کھٹائی، دیوانگی۔

(۳) بعض اسم سے جیسے دوست سے دوستی، لڑکے سے لڑکپن

(۴) اکثر عربی ہندی عام کے الفاظ سے کیفیت کا کام دیتے ہیں جیسے صحت، حسن، حرکت، ہل، کوشش، جوش۔

(۵) ایک لفظ کی تکرار یا دو لفظوں کے ملنے سے جیسے کب کب، آن بان، جان پہچان، لوٹ مار۔

اسم جمع

بعض اسم ایسے ہوتے ہیں کہ صورت میں تو واحد معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں کئی اسموں کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ جیسے فوج، انجمن، قطار، جتھا۔ اس قسم کے اسم کو اسم جمع کہتے ہیں

لوازم اسم

ہر اسم میں خواہ وہ کسی قسم کا ہو، چند خصوصیتوں کا پایا جانا لازم ہے جنھیں وہ اسم ہونا پڑیگا، مذکر ہوگا یا مونث، واحد کسی کام کا کرنے والا ہوگا، یا دوسرے کے کام کا اثر اس پر ہوگا۔ پھر یہ باتیں اسم میں لازمی طور سے پائی جاتی ہیں اس لئے اسم کے ان کا نام لوازم اسم رکھا ہے۔ یہ تین ہیں

۱۔ جنس۔ ۲۔ تعداد۔ ۳۔ حالت۔

۱۔ جنس

جنس سے مراد اسما کی تذکیر و تانیث سے ہے۔

اس کی دو قسمیں ہیں، ایک حقیقی دوسری غیر حقیقی (یا معنوی)

حقیقی دنیا میں جنس کی صرف دو ہی قسمیں ہیں مذکر (نر) مادہ (مونث)

یہ تقسیم جانداروں کے لحاظ سے کی گئی ہے اور ان میں تذکیر و تانیث کی تمیز کچھ مشکل نہیں۔ بے جان چیزوں میں تذکیر و تانیث کوئی چیز نہیں اس لئے ان میں نر و مادہ میں سے کسی کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ یہ تو حقیقی دنیا کا حال ہے لیکن زبان کی دنیا اس سے الگ ہے کسی میں جنس کی تین قسمیں ہیں کسی میں دو اور بعض ایسی خوش قسمت ہیں کہ ان میں سرے سے یہ جھگڑا ہی نہیں۔

[illegible] اور بعض دوسری آریائی زبانوں میں جنس کی تین قسمیں ہیں۔ جیسے مذکر [illegible] نام ہے جان، تیاگی، سامی زبانوں میں صرف دو ہیں۔ مذکر اور مونث۔ جانداروں [illegible] نر اور مادہ کا امتیاز ہے اس لئے اس تقسیم کو حقیقی کہا گیا ہے۔ لیکن ہر [illegible] یہ قسم نہیں ہے دنیا کی قدیم بے جان اشیا جن کو نباتات کہا جاتا ہے [illegible] گیا ہے، چونکہ قوت کے خلاف ہے اس لئے اس کا نام بھی حقیقی [illegible] رکھا گیا ہے۔ اردو زبان مذکر و تانیث کے لحاظ سے دوسری قسم میں ہے۔

مذکر اور مونث کی تینوں صورتیں ہیں۔ یعنی مذکر اور مونث اور تیسری وہ صورت [illegible] کر ہے نہ مونث۔ اسی طرح پراکرت میں بھی تینوں صورتیں پائی جاتی ہیں۔ [illegible] زبانوں میں جو زیادہ تر پراکرت سے پیدا ہوئی ہیں۔ صرف گجراتی اور [illegible] زبانیں ہیں جن میں جنس کی تین صورتیں ہیں۔ سندھی، پنجابی، ہندی اور اڑیہ [illegible] صرف دو ہیں۔ یعنی مذکر اور مونث، بنگالی اور آسامی کی عام بول چال میں جنس کا کوئی [illegible] نہیں ہے، سوائے ان الفاظ کے جو خالص سنسکرت کے داخل کر لئے گئے [illegible] ان کی جنس وہی ہوتی ہے جو سنسکرت میں تھی۔ لیکن ان میں زبانوں میں سندھی، [illegible] پنجابی یا اڑیہ میں سندھی اپنی زبان ہے اس کے تمام اسماء کا آخر حرف [illegible] ہے اور اس سے جنس کی تمیز آسان ہے لیکن باقی تین زبانوں میں یہ اعتبار [illegible] سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

[illegible] ان سب زبانوں میں بڑی، بھاری بھرکم، قوی اور عظیم الشان اشیا مذکر ہیں [illegible] بھاری بھرکم، زور آور اور بھلی بھلی چیزیں مونث، یہاں تک کہ سب اصل لفظ مذکر ہے [illegible] ایک بھاری بھرکم عورت کی صورت بیان کرنی مقصود ہوتی ہے تو اسے مونث بنا [illegible] ہے۔ اور اسی طرح سب اصل لفظ مونث ہے اسے بڑی، بھاری بھرکم

[illegible] ہندستان کی قدیم علمی زبان تھی اور پراکرت عوام کی بول چال۔

صوت ہی مقصود ہوتا ہے تو اُسے مذکر بنا لیتے ہیں۔ مثلاً سنسکرت میں اسم
لفظ "رتھم" تھا اس سے ہندی رتھ بنا۔ یہ دونوں مذکر ہیں۔ اس کی چھوٹی شکل اور
صورت رتھی ہے۔ سنسکرت گولہ تھا ہندی میں گولی یا گولا بنا۔ یہ دونوں مذکر ہیں
اس کی چھوٹی شکل مذکر صورت گولی بنا لی گئی ہے جو مؤنث ہے۔ اسی طرح پگ سے
پگڑی بنی جو مؤنث ہے۔ اس سے پگڑ بنا جو مذکر ہے اور بڑی پگڑی کے معنوں میں
آتا ہے۔

یہ آخری ی (معروف) عام طور پر تانیث کی علامت ہے اور آخری الف
علامت تذکیر یہاں تک کہ بنگالی اور اڑیا میں جہاں تذکیر و تانیث کا جوڑا نہیں پایا
نہیں ہے تصغیر و تکبیر کو امتیاز انہیں علامتوں سے کیا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ ایک عام قاعدہ
ہے لیکن زبان میں ایسے الفاظ بہت کم ہیں جن کے آخر میں ی معروف یا الف ہو
اس صورت میں صرف اس زبان کی تقلید کرنی پڑتی ہے۔ اور دوسری زبان کی تذکیر و تانیث
کا معاملہ بہت ٹیڑھا ہے اور ایسے قواعد کا وضع کرنا جو سب صورتوں پر حاوی ہوں
بہت مشکل ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بے جان اشیا کی جو تذکیر و تانیث قرار دی گئی
ہے اس میں ضرور کسی خیال یا اصول کی پابندی کی گئی ہے لیکن ہر لفظ کی اصل کا پتہ لگانا
اور جن اسباب نے اس کی تذکیر و تانیث قرار دینے میں اثر ڈالا ہے اس پر غور کرنا
آسان کام نہیں ہے۔ اس صورت میں ہم صرف اسی قدر کر سکتے ہیں کہ تذکیر و تانیث
کے امتیاز کے مخالف قواعد کی قدرے تفصیل سے کھوج کریں تاکہ ان کی نوعیت میں کچھ سوجھ
ہو۔ زیادہ تر دقت اس وجہ سے پیدا ہو گئی ہے کہ ہندی کے الفاظ سنسکرت سے
پراکرت سے آئے ہیں۔ لیکن ان میں بہت کچھ تغیر و تبدل ہو گیا ہے۔ خصوصاً
لفظ کا آخری حرف یا تو گر گیا ہے یا بدل گیا ہے جس سے تذکیر و تانیث کا دارومدار
اسی پر ہے۔

جانداروں کی تذکیر و تانیث

اُردو اور دوسری ہندی زبانوں میں جان دار اور بے جان سب ہی کی تذکیر
و تانیث کا لحاظ ہوتا ہے۔ البتہ جانداروں میں یہ آسانی ہے کہ ان میں تذکیر و تانیث
کا پہچاننا آسان ہے۔ بے جان اشیا میں چونکہ کوئی علامت تذکیر و تانیث کی نہیں
ہوتی اس لیے دشواری ہوتی ہے۔ اگرچہ جانداروں کے لیے بظاہر کسی قاعدے
کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کیونکہ ان کی تذکیر و تانیث قدرتی اور
ظاہر ہے لیکن قواعد میں الفاظ سے بحث ہوتی ہے۔ علاوہ اس کے جانداروں
کی تذکیر و تانیث بھی قطعی قاعدوں کے تحت میں نہیں آتی۔ ان میں بھی مستثنیات ہیں۔
اسی لیے تذکیر الفاظ سے مؤنث بنائے گئے ہیں وہ بھی زیادہ تر سماجی اسباب کی
وجہ کا احتمال ہو سکتی ہے۔ اس لئے ان کے متعلق بھی قاعدوں کا بیان کرنا ضروری
معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ جن ہندی الفاظ کے آخر میں الف ہو گا وہ مذکر ہوں گے جیسے گھوڑا، لڑکا۔
اس میں ناری عربی کے بہت سے لفظ بھی آجاتے ہیں جن کے آخر میں (آ) یا (ہ) ہوتی ہے
جیسے بندہ، خدا، خواجہ، سقا۔

۲۔ جن عربی کے بہت سے ایسے لفظ ہیں جن کے آخر میں (ن) تانیث کی ہوتی
ہے مذکور میں مستعمل ہیں جیسے دامن، مکان، سلطان۔

۳۔ ہندی کے وہ لفظ جن کے آخر میں (یا) تانیث کی علامت ہوتی ہے اس
قاعدے سے مستثنیٰ ہیں جیسے بڑھیا، چڑیا، بندیا۔

۴۔ جن ہندی الفاظ کے آخر میں یا سے معروف ہوتی ہے وہ مؤنث ہوتے
ہیں جیسے گھوڑی، لڑکی۔

نیز ایسے پیشہ وروں کے نام جن کے آخر میں بھی معروف ہوتی ہے اس

سے مستثنیٰ ہیں۔ جیسے ماں، چچی، دھوبی، گھوڑی، بیل، بھاری، نجومی۔

یا وہ الفاظ جن کے آخر میں یائے نسبتی ہوتی ہے۔ جیسے پنجابی، بنگالی وغیرہ۔

اسی طرح بعض عربی کے الفاظ جیسے قاضی، مفتی وغیرہ یا سب اس قاعدہ کے تحت میں نہیں آتے۔

۳۔ یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ مذکر کے آخری 'ا' یا 'ہ' کو بدلے معروف سے بدل دینے سے مؤنث بن جاتا ہے۔ یا جہاں پیشہ وروں کے نام کے آخر میں نی (معروف) ہوتی ہے اگر اسے (ف) سے بدل دیا جائے تو وہ مؤنث ہو جاتا ہے لیکن جہاں آخر میں الف یا ہی نہ ہو تو وہاں مشکل پڑتی ہے۔ اس بارے جس طرح سے زبان میں مذکر سے مؤنث بنتے ہیں خواہ آخری حرف کے بدلنے سے یا کسی لفظ کے بڑھانے سے، ان میں سے اکثر کو آگے الگ الگ کر دیا ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

۴۔ ان میں تذکیر و تانیث کی دو صدیں ہیں۔ اوّل مذکر اور مؤنث کے الگ الگ الفاظ ہیں۔ ایک کو دوسرے سے بظاہر کچھ تعلق نہیں جیسے بیل مذکر، گائے مؤنث۔ دوم آخر حالت کے بدلنے یا آخر میں کسی حرف یا حروف کے اضافے سے مؤنث بنایا جاتا ہے جس کی مثالیں نیچے لکھی جاتی ہیں۔

۱۔ ہر دو مختلف

مذکر	مؤنث	مذکر	مؤنث
باپ	ماں	غلام	باندی
میاں	بی بی	نواب	بیگم
بیل	گائے	خسم یا خاوند	جورو

۲۔ مختلف علامات کے ساتھ

(ا) مذکر کے آخر کا الف یا مؤنث میں ی (معروف) سے بدل دی جاتی ہے جیسے

لڑکا	لڑکی	کانا	کانی
بیٹا	بیٹی	اندھا	اندھی
پچھڑا	پچھڑی	گھوڑا	گھوڑی
بکرا	بکری	شاہزادہ	شاہزادی
بندر (نر)	بندری (مادہ)	پپوٹا	پپوٹی
مرغا	مرغی	بھانجا	بھانجی
جیجا	جیجی	چچا	چچی
پھوپھا	پھوپھی	گنڈیرا	گنڈیری
لولا	لولی	بہرا	بہری

(ب) آخر میں یائے معروف کے بڑھانے سے۔

برہمن	برہمنی	ہرن	ہرنی
پٹھان	پٹھانی	کبوتر	کبوتری
تیتر	تیتری	لوہار	لوہاری
چمار	چمارنی	سنار	سنارنی
عمانی			

(ج) مذکر کے آخر حرف کو (ن) سے بدل دینے سے یا آخری حرف کے آگے (ن) بڑھانے سے، جیسے:-

---

(۱) (ن) کا لفظ صرف علامِ مؤنث کے معنوں میں آتا ہے اور (بندی) کا لفظ بجائے خود واحد کے بولتے ہیں جیسے مرد بندہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

سے مستثنیٰ ہیں۔ جیسے ماں، بہن، دھوبی، گھوڑی، بیل، بھاری، کمبوہی۔

یا وہ الفاظ جن کے آخر میں یائے نسبتی ہوتی ہے۔ جیسے پنجابی، بنگالی وغیرہ۔

اسی طرح بعض عربی کے الفاظ جیسے قاضی، مفتی وغیرہ یہ سب اس قاعدہ کے تحت میں نہیں آتے۔

۳۔ یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ مذکر کے آخری "ا" یا "ہ" کو یائے معروف سے بدل دینے سے مونث بن جاتا ہے۔ یا جہاں پیشہ وروں کے نام کے آخر میں ی (معروف) ہوتی ہے اگر اسے (ف) سے بدل دیا جائے تو وہ مونث ہو جاتا ہے لیکن جہاں آخر میں الف یا ہی نہ ہو تو وہاں مشکل پڑتی ہے۔ اس بارے جس جس طریقہ سے لہجہ میں مذکر سے مونث بنتے ہیں خواہ آخری حرف کے بدلنے سے یا کسی لفظ کے بڑھانے سے، ان میں سے اکثر کو آگے الگ الگ کر دیا ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

۴۔ ان میں تذکیر و تانیث کی دو صدیں ہیں۔ اول مذکر اور مونث کے الگ الگ الفاظ ہیں۔ ایک کو دوسرے سے بظاہر کچھ تعلق نہیں جیسے بیل، گائے وغیرہ۔ دوم آخری حرف کے بدلنے یا آخر میں کسی حرف یا حروف کے اضافہ سے مونث بنایا جاتا ہے جس کی زبان نیچے لکھی جاتی ہیں۔

۱۔ ہر دو مختلف

مذکر	مونث	مذکر	مونث
باپ	ماں	غلام	باندی
میاں	بی بی	نواب	بیگم
بیل	گائے	خسم یا خاوند	جورو

۲۔ مختلف علامات کے ساتھ

(ا) مذکر کے آخر کا الف یا مونث میں ی (معروف) سے بدل دی جاتی ہے جیسے

لڑکا	لڑکی	کانا	کانی
بیٹا	بیٹی	اندھا	اندھی
بچھڑا	بچھڑی	گھوڑا	گھوڑی
بکرا	بکری	شاہزادہ	شاہزادی
بندر (بندری)	بندری	پوتا	پوتی
مرغا	مرغی	بھانجا	بھانجی
جیجا	جیجی	چچا	چچی
پھوپھا	پھوپھی	گھڑا	گھڑی
لولا	لولی	بہرا	بہری

(ب) آخر میں یائے معروف کے بڑھانے سے۔

برہمن	ہرن	ہرنی
پٹھان	کبوتر	کبوتری
تیتر	لوہار	لوہاری
چمار	سنار	سناری
عمانی		

(ج) مذکر کے آخر حرف کو (ن) سے بدل دینے سے یا آخری حرف کے آگے

---

(۱) اس کا لفظ صرف علم جنس کے معنوں میں آتا ہے اور (بندری) کا لفظ بجائے مونث کے واحد کے بولتے ہیں جیسے مرد بندر کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

سے مستثنیٰ ہیں۔ جیسے ماں، بہن، دھوبی، گھوڑی، بیل، بھاری، کمبوہ۔

یا وہ الفاظ جن کے آخر میں یائے نسبتی ہوتی ہے۔ جیسے پنجابی، بنگالی وغیرہ۔

اسی طرح بعض عربی کے الفاظ جیسے قاضی، مفتی وغیرہ یہ سب اس قاعدہ کے تحت میں نہیں آتے۔

۳۔ یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ مذکر کے آخری 'ا' یا 'ہ' کو یائے معروف سے بدل دینے سے مؤنث بن جاتا ہے۔ یا جہاں پیشہ وروں کے نام کے آخر میں ی (معروف) ہوتی ہے اگر اسے (ف) سے بدل دیا جائے تو وہ مؤنث ہو جاتا ہے لیکن جہاں آخر میں الف یا ہی نہ ہو تو وہاں مشکل پڑتی ہے۔ اس بارے جس جس طریقہ سے لہاں میں مذکر سے مؤنث بنتے ہیں خواہ آخری حرف کے بدلنے سے یا کسی لفظ کے بڑھانے سے، ان میں سے اکثر کو آگے الگ الگ لکھ دیا ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

۴۔ ان میں تذکیر و تانیث کی دو صدیں ہیں۔ اوّل مذکر اور مؤنث کے الگ الگ الفاظ ہیں۔ ایک کو دوسرے سے بظاہر کچھ تعلق نہیں جیسے بیل مذکر، گائے مؤنث۔ دوم آخر حرف کے بدلنے یا آخر میں کسی حرف یا حروف کے اضافہ سے مؤنث بنایا جاتا ہے جس کی تفصیل نیچے لکھی جاتی ہیں۔

۱۔ ہر دو مختلف

مذکر	مؤنث	مذکر	مؤنث
باپ	ماں	غلام	باندی
میاں	بیبی	نواب	بیگم
بیل	گائے	خسم یا خاوند	جورو

۲۔ مختلف علامات کے ساتھ

(ا) مذکر کے آخر کا الف یا مؤنث میں ی (معروف) سے بدل دی جاتی ہے جیسے

(۱)	لڑکا	لڑکی	گائی
(۲)	بیٹا	بیٹی	اونگی
(۳)	پچھڑا	پچھڑی	گھوڑی
(۴)	بکرا	بکری	شاہزادی
(۵)	بندا (بانسی)	بندی	بھیونی
(۶)	مرغا	مرغی	بھابھی
(۷)	جیجا	جیجی	چچی
(۸)	پھوپھا	پھوپھی	ٹھکرائی
(۹)	لولا	لولی	بھیڑی

(ب) آخر میں یائے معروف کے بڑھانے سے۔

(۱)	برہمن	برہمنی	ہرنی
(۲)	پٹھان	پٹھانی	کبوتری
(۳)	تیلی	تیلنی	سوداری
(۴)	چماری	چمارنی	سنارنی
(۵)	عمانی		

(ج) مذکر کے آخر حرف کو (ن) سے بدل دینے سے یا آخری حرف کے آگے (ن) بڑھانے سے، جیسے:-

---

(۱) اوّل کا لفظ صرف علامِ مؤنث کے معنوں میں آتا ہے اور (بندی) کا لفظ بھانڈے کے برتن کے واحد کے لئے ہیں جیسے مرونڈہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

سے مستثنیٰ ہیں۔ جیسے ماں، بہن، دھوبی، گھوڑی، بیل، بھاری، کمبوہ۔

یا وہ الفاظ جن کے آخر میں یائے نسبتی ہوتی ہے۔ جیسے پنجابی، بنگالی وغیرہ۔

اسی طرح بعض عربی کے الفاظ جیسے قاضی، مفتی وغیرہ بھی سب اس قاعدہ کے تحت میں نہیں آتے۔

۲۔ یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ مذکر کے آخری "ا" یا "ہ" کو یائے معروف سے بدل دینے سے مونث بن جاتا ہے۔ یا جہاں پیشہ وروں کے نام کے آخر میں ی (معروف) ہوتی ہے اگر اسے (ف) سے بدل دیا جائے تو وہ مونث ہو جاتا ہے لیکن یہاں آخر میں الف یا ہی نہ ہو تو وہاں مشکل پڑتی ہے۔ اس بارے جس طرح سے لسانیات میں مذکر سے مونث بنتے ہیں خواہ آخری حرف کے بدلنے سے یا کسی لفظ کے بڑھانے سے، ان میں سے اکثر کو آگے الگ الگ کر دیا ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

۳۔ ان میں تذکیر و تانیث کی دو صورتیں ہیں۔ اول مذکر اور مونث کے الگ الگ الفاظ ہیں۔ ایک کو دوسرے سے بظاہر کچھ تعلق نہیں جیسے بیل مذکر، گائے مونث۔ دوم آخر حرف کے بدلنے یا آخر میں کسی حرف یا حروف کے اضافے سے مونث بنایا جاتا ہے جس کی تفاصیل نیچے لکھی جاتی ہیں۔

۱۔ ہر دو مختلف

مذکر	مونث	مذکر	مونث
باپ	ماں	غلام	باندی
میاں	بی بی	نواب	بیگم
بیل	گائے	خسم یا خاوند	جورو

۲۔ مختلف علامات کے ساتھ

(ا) مذکر کے آخر کا الف یا مونث میں ی (معروف) سے بدل دی جاتی ہے جیسے

لڑکا	لڑکی	کانا	کانی
بیٹا	بیٹی	اندھا	اندھی
پچھڑا	پچھڑی	گھوڑا	گھوڑی
بکرا	بکری	شاہزادہ	شاہزادی
بندا (بندہ)[1]	بندی (بندہ)	پپوٹا	پپوٹی
مرغا	مرغی	بھانجا	بھانجی
جیجا	جیجی	چچا	چچی
پھوپھا	پھوپھی	گھڑا	گھڑی
لولا	لولی	بہرا	بہری

(ب) آخر میں یائے معروف کے بڑھانے سے۔

برہمن	برہمنی	ہرن	ہرنی
پٹھان	پٹھانی	کبوتر	کبوتری
تیتر	تیتری	لوہار	لوہاری
چمار	چمارنی	سنار	سنارنی
عیسائی	عیسائنی		

(ج) مذکر کے آخر حرف کو (ن) سے بدل دینے سے یا آخری حرف کے آگے ن بڑھانے سے، جیسے:-

---

[1] (بندا) کا لفظ صرف غلام عورت کے معنوں میں آتا ہے اور (بندی) کا لفظ بجائے محبوبہ واحد کے بولتی ہیں جیسے مرو بندہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

مراسی	مراسن	نالی	نالن
کھیڑا	کھیڑن	جوگی	جوگن
مالی	مالن	دھوبی	دھوبن
جنگلی	جنگلن	گوالا	گوالن
فرنگی	فرنگن	پاسی	پاسن
بھائی	بہن	گھوسی	گھوسن
جاٹ	جٹن	بھویا	بھوئن
دھوبا	دھوبن	چودھری	چودھرائن
گوالا	گوالن[1]	جٹ	جٹنی

(۱) آخر حرف کو حذف کر کے یا حذف (ن) یا (ان) کے اضافے سے۔

شیر	شیرنی	ہل	ہلی
بیٹا	بیٹی	اُستاد	اُستانی
		ہاتھی	ہتنی[2]
اونٹ	اونٹنی	سسر	ساس
راستہ (رہبر)	رانی	فقیر	فقیرنی
مرد	مردنی	بیٹھ	بیٹھنی
ڈوم	ڈومنی	دیور	دیورانی
ڈاکٹر	ڈاکٹرانی	نعل	نعلبند

[1] سیہ، گاہ وگی بھی مستعمل ہے لیکن یہ لفظ بعض علاقوں میں صرف بازاری گالی کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔
[2] ہتنی کا لفظ ہاتھی کی مادہ کے لئے بھی مستعمل ہے۔

سیوت	بھتنی[1]	نعتر	مستانی[2]
بن	بناتی	شاعر	شاعرانی
پنڈت	پنڈتانی		

لڑکے لڑکی مؤنث آتا ہے لیکن عادت کے موقع پر بولتے ہیں۔

۴۔ بعض اوقات اخیر حرف میں کچھ تبدیلی کے بعد یا اخیر تبدیلی کے (یا) اضافہ کرنے سے مؤنث بنا لیتے ہیں۔ جیسے

بیل	بیلی	بھینسا	بھینسا
بڑا	بڑیا	گورا	گوریا

۵۔ بعض غیر زبانوں کے مذکر مؤنث بعینہٖ اردو میں مستعمل ہیں خلوجیک مذکر بیگم خانم خان سے خانم (ترکی) ہے یا عربی کے الفاظ سلطان سے سلطانہ ملک سے ملکہ۔ خاتون و آقا بھی ترکی لفظ ہیں جو مؤنث ہیں۔

۶۔ بعض اوقات مذکر اسم خاص سے بھی مؤنث بنا لیتے ہیں جیسے

رحیم	رحیمن	امیر	امیرن
کریم	کریمن	زید	زیدن
محمد	محمدی	ہادی	ہادیہ
مراد	مرادن	نصیب	نصیبن

بعض اوقات اسماء خاص میں حرف واو بجائے دال مہملہ ہونے سے مؤنث بنانے کا فرق ظاہر ہوتا ہے۔ واو سے مؤنث سے مذکر اور دال سے مؤنث۔

---

[1] یہ لفظ مؤنث ہے مذکر سے نہیں بلکہ بھتنا مذکر سے بنا ہے۔
[2] یہ لفظ اصل میں مذکر ہے بمعنی بھڑوا عرفی بدمعاش کچھ لوگ کہتے ہیں کہ میری زبان سے نکلا مرزا کو اس لفظ سے نوازا ہے میر کر۔ یہ استعمال مزاحاً کیا گیا ہے۔

مونث	مذکر	مونث	مذکر	مونث	مذکر
بُوَ	بُوَ	دامو	دامُو	جلد	وار
جُوَ	جُوَ	کُوَ	کُوَ		

بعض اسمائے خاص مرد عورت کے لئے یکساں استعمال ہوتے ہیں جیسے گوپی، احمد وغیرہ۔

۷۔ بعض مونث مذکر سے بنتا ہے لیکن بعض مذکر ایسے بھی ہیں جو مونث سے لیے گئے ہیں جیسے بھینسا۔ بھینس سے، رنڈوا، رانڈ سے، بھاوج سے، سسر، سسرا، ساس سے۔

۸۔ بعض الفاظ ایسے ہیں جو صرف مذکر استعمال ہوتے ہیں اور ان کا مونث نہیں آتا اور بعض صرف مونث استعمال ہوتے ہیں اور مذکر ان کا نہیں آتا مثلاً جیل، ریل، بتا، ہیبت، طاقت، اور مٹری وغیرہ ذوی العقول میں۔ رنڈی، کسبی، سڑدنگی، ڈائن، چڑیل، بیوہ، سوت، سہاگن وغیرہ ذوی العقول میں مونث استعمال ہوتے ہیں اور کوا، اژدہا، تیندوا، باز، اژر، چیتا وغیرہ وغیرہ ذوی العقول میں اور جاندار، بھیڑیا وغیرہ ذوی العقول میں مذکر ہیں۔

۹۔ چھوٹے چھوٹے جانوروں میں اکثر صرف ایک ہی جنس مستعمل ہے مثلاً مکھی (مونث)، مچھلی (مذکر)، چھپکلی (مونث)، مچھر (مذکر)، کھٹمل (مونث)

۱۰۔ اکثر اوقات الفاظ کیساتھ زائد ماں کا لفظ لگا کر مذکر و مونث بنا لیتے ہیں، مثلاً ماں جو، نر گاؤ، بچھڑے کی ماں، مادہ خرگوش وغیرہ۔

۱۱۔ بعض اوقات مذکر لفظ مونث کے لیے بھی استعمال کر جاتے ہیں مثلاً بی بلی کو "بلا" سے کبھی سبھی "بلا" ایسا نہیں کرتے۔

۱۲۔ بعض لفظ مشترک ہیں، دونوں کے لیے آتے ہیں مثلاً بچے کا لفظ بچہ اور بچی کو دیکھ کے کہہ سکتے ہیں کہ کیا اچھا جانور ہے۔

۱۳۔ جن جنسی الفاظ کے آخر الف یا ہ ہوتی ہے مونث میں یائے معروف سے بدل جاتے ہیں۔ مثلاً لڑکا سے لڑکی۔ اسی طرح فارسی الفاظ بھی جو اردو میں عام طور پر استعمال ہوتے لگے ہیں اس قاعدے میں آجاتے ہیں مثلاً شاہزادہ سے شاہزادی، پجارہ سے پجارن، بندہ سے بندی، حرام زادہ سے حرام زادی وغیرہ۔

بے جان کی تذکیر و تانیث

بے جان اسما کی تذکیر و تانیث قیاسی ہوتی ہے۔ جن الفاظ کی تذکیر و تانیث ایک دوسرے سے دور کر یا ایک اصل سے دوسری اصل کو لوٹا دے یا پہنچی ہو اور جس طرح یہ چیز ہے ویسے ہی بولی جاتی ہے۔ مگر یہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ اس وجہ سے بعض الفاظ میں تذکیر و تانیث کا اختلاف ہو گیا ہے جو پہلے مذکر تھے اب مونث ہیں اور جو مونث تھے اب مذکر بولے جاتے ہیں، لیکن عام طور پر یہ ہوا ہے کہ لفظ بھرنیل جس طرح یہ الفاظ چلتے ہیں ویسے ہی بولے جاتے ہیں۔ تاہم یہاں کچھ لکھنا ہو سکتا ہے ذیل میں چند قاعدے بیان کئے جاتے ہیں،

(۱) اکثر اوقات وہ الفاظ جو خصوصاً ہندی اور تدبھو یعنی مخلوط سنسکرت کے ہیں کے آخر الف یا ہ ہوتی ہے یا فاعلی کے وہ لفظ جن کے آخر میں ہ الف کی آواز دیتی ہے، مذکر ہوتے ہیں مثلاً ڈیا، گھڑا، ڈیرا، لفظ، پیشہ، ہفتہ، جوان وغیرہ لیکن اس میں استثنا بھی ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

(الف) تمام ہندی اسمائے تصغیر جن کے آخر یا ہوتا ہے مثلاً چڑیا، ٹوپیا، لٹیا وغیرہ۔

(ب) تمام عربی کے سہ حرفی الفاظ جس کے آخر میں ا ہوتا ہے جیسے اما،

قضا، صحبا، رضا، عطا وغیرہ۔

(۳) عربی کے بعض اسما جو فعلی کے وزن پر ہوتے ہیں جیسے عقلی،

(۴) بعض ہندی لفظ جو تت سما یعنی خالص سنسکرت کے ہیں کیونکہ سنسکرت میں علامت تانیث بھی ہے مثلاً پوجا، بھیا، ماتا، پربھا، پھوپھا، بھاکا، سنیہا، گھٹا، گھٹیا، اچھیا، بھا، بھبھا، جٹا، چھایا، بھگوتی، جٹا۔

(۴) جن ہندی یا غیر ہندی الفاظ کے آخر میں یا سے معروف ہوتی ہے وہ مؤنث ہوتے ہیں۔ جیسے لکڑی، کوٹھی، ملی، بکری، گھی، دھنیا، بڑی، ڈیوڑھی، جنتری، پریشانی، کشتی۔

البتہ جی، گھی، سوتی، پانی، دہی مستثنیٰ ہیں۔ یہ الفاظ سنسکرت سے آئے ہیں اور ہندی میں ان کی آخری علامت بدل گئی ہے۔ ان کی جنس تو وہی جو سنسکرت میں تھی مگر صورت بدل گئی۔ سنسکرت میں یہ مذکر ہیں یا نپسرق جنس جو مذکر ہے مؤنث اور اسی جنس کے لفظ ہندی میں آکر مذکر ہو جاتے ہیں۔ سنسکرت میں ان کے آخر میں ی (معروف) نہیں ہے، جی اصل میں جیو تھا، گھی، گھرت (घृत) سوتی، سوتک (सौतुक) پانی، پانیہ (पानीय) دہی، ددھی (दधिन्) وغیرہ۔

(۳) زبانوں کے نام عموماً مؤنث ہوتے ہیں مثلاً انگریزی، فارسی، اردو، عربی، تامل وغیرہ۔

(۴) ایسے اسما جو آواز کی نقل میں مؤنث ہوتے ہیں۔ سائیں سائیں، سنسناہٹ، دھڑ دھڑ وغیرہ۔

(۵) دنوں اور مہینوں کے نام مذکر استعمال ہوتے ہیں، دنوں میں جمعرات مستثنیٰ ہے۔

(۶) دھاتوں اور جواہرات کے نام بھی مذکر ہیں، چاندی البتہ مستثنیٰ ہے

ہندی میں اسے روپا کہتے ہیں جو مذکر ہے۔ جیسے سونا، جست، لوہا، ٹین وغیرہ۔

(۷) پہاڑوں کے نام مذکر ہیں جیسے ہمالیہ، بندھیاچل وغیرہ۔

(۸) ستاروں اور سیاروں کے نام بھی مذکر ہیں۔

(۹) کتابوں کے نام اگر مفرد ہیں تو مؤنث ہوں گے بشرطیکہ آخر میں آیا (ہو جو مذکر کی علامت ہے جیسے صدرا، کافیہ۔ لیکن شفاء شیخ کی تصنیف) مؤنث ہے کیونکہ جیسے پہلے ذکر ہو چکا ہے ایسے عربی سے ہندی لفظ مؤنث ہوتے ہیں لیکن مرکب ہونے کی حالت میں مضاف یا موصوف کی تذکیر و تانیث پر کتاب کی تذکیر و تانیث منحصر ہوگی مثلاً ہرستان، گلستان، پریم ساگر، رامائن مؤنث ہیں مگر حکایت سودا گر مؤنث اور قصہ چہار درویش مذکر ہے۔

(۱۰) اسی طرح تمام دنوں کے نام مؤنث بولے جاتے ہیں۔ جیسے ظہر، عصر، مغرب عشاء۔

(۱۱) ہندی حاصل مصدر (یعنی وہ اسم کیفیت جو مصدر سے بنائے جاتے ہیں) عموماً اکثر اسمائے کیفیت جو اسی وزن پر ہوں مؤنث ہوتے ہیں جیسے۔

پکار، چیکار، جھنکار، پھٹکار، وغیرہ۔ اُجاڑ، اُتار، بگاڑ مستثنیٰ ہیں۔

چھلن، دھڑکن، کھرچن، جبن، لگن، اُترن وغیرہ۔ البتہ ملن مستثنیٰ ہے۔

بناوٹ، کھچاوٹ، لپاوٹ، گھبراہٹ وغیرہ۔

جھک، روک، چوک، جھلک، چھلک، جھڑک وغیرہ۔

لوٹ، کھسوٹ، جھوٹ۔

سٹاس، کھٹاس، پیاس وغیرہ۔

تھکان، تکان، پہچان، ڈھلان، اُٹھان، اُڑان۔

البتہ برتاؤ، بچاؤ کے وزن پر جو حاصل مصدر آتے ہیں وہ سب مذکر ہوتے ہیں۔ دباؤ۔ بچاؤ۔ بناؤ۔ لگاؤ۔ اٹکاؤ۔ تناؤ۔ لداؤ۔ بہاؤ وغیرہ۔ دوسرے اسماء سے کیفیت اور الفاظ جو اس وزن پر آتے ہیں وہ بھی مذکر ہوتے ہیں جیسے بجاؤ، بھاؤ، الاؤ۔

اسی طرح وہ اسماء کیفیت جو اسم یا صفت کے آخر میں "پن" لگانے سے بنتے ہیں مذکر ہوتے ہیں۔ خفا پچپن، لڑکپن، دیوانہ پن وغیرہ۔

ہندی کے وہ الفاظ جن کے آخر اور (مجہول) یا اول (واؤ۔ مجہول) ہوتا ہے اکثر مونث ہوتے ہیں جیسے باؤ، چھاؤں، بوکھوں، بھوں، سوں، سرسوں، کھڑاؤں وغیرہ۔

(۴) حروف تہجی ہیں۔ ب پ ت ٹ ط ج چ ح خ د ڈ ر ڑ ز ژ ظ ف وہی مونث ہیں۔ ہم اور میم مختلف فیہ ہیں۔

(۵) ہندی مصدر مذکر استعمال ہوتے ہیں جیسے اس کا مرنا سب کو شاق گزرا لیکن جب مونث لفظ سے متعلق ہوتا ہے تو اس کی صورت بھی مونث ہو جاتی ہے جیسے غلط بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی۔ اہل لکھنؤ ہر حال میں مصدر کو مذکر ہی بولتے اور سمجھتے ہیں۔

(۶) عربی کے وہ اسماء کیفیت جن کے آخر میں ت ہوتی ہے، مونث ہوتے ہیں جیسے سلامت، عافیت، محبت، شفقت، شوکت، مرغبت وغیرہ۔

(۷) جو عربی الفاظ افعال، افتعال، انفعال، استفعال، تفعل، تفاعل اور تفعلہ کے اوزان پر آتے ہیں وہ مذکر ہوتے ہیں۔ بروزن افعال۔

جیسے اکرام، احسان، انعام وغیرہ باستثنائے انشا، افزایا، ایذا، ادا، اتہام، اصلاح۔

بروزن افتعال جیسے اختیار، احتمال، اضطراب، افتخار وغیرہ باستثنائے ابتدا، اتہا، التجا، احتیاط، اختیاج، اطلاع، استہزا، استطلاع

بروزن استفعال جیسے استعفا، استہزا، استقبال، استغنا وغیرہ باستثنائے استعارہ، استدعا، استقبالیہ، استغفار۔

بروزن انفعال جیسے انکسار، انقلاب، انحراف وغیرہ

بروزن تفعل ہے ترحم، تکلف، تعصب، تغیر، تبدل، وغیرہ باستثنائے توقع، توبہ، تمنا، ترنم، تفریح، تجہد ——

بروزن تفاعل ہے تفاوت، تناقض، تواضع وغیرہ باستثنائے توالی

بروزن تفعلہ جیسے تذکرہ، تجربہ، تصفیہ، تخلیہ وغیرہ

(۸) جو عربی الفاظ مفاعلہ کے وزن پر آتے ہیں وہ مذکر ہیں جیسے مجادلہ، مناظرہ، معاملہ، مناظرہ وغیرہ۔

لیکن جن الفاظ یا دوسرے الفاظ جب مفاعلت کے وزن پر آتے ہیں تو مونث ہوتے ہیں جیسے مساعدت، مصاحبت، مشارکت وغیرہ۔ جن کا آخر لفظ اور فعلت کا ہے جیسے تربیت، تقویت وغیرہ مونث ہیں۔ تفعلہ کی مثالیں لکھی جا چکی ہیں۔

(۱۷) تمام عربی الفاظ تفعیل کے وزن پر مونث ہوتے ہیں، جیسے تحریر، تقریر وغیرہ باستثنائے تعویذ۔ لیکن جب تفعیل کے بعد ہائے ہوز آتی ہے تو وہ الفاظ مذکر ہو جاتے ہیں۔ جیسے تکفیر، تعلیق وغیرہ۔

(۱۸) تمام وہ الفاظ عربی و فارسی جن کے آخر میں ہ اضافی (حقی) ہوتی ہے اکثر مذکر ہوتے ہیں۔ جیسے فقرہ، روضہ، صفحہ، مدرسہ، طرہ، شیشہ، آئینہ، جامہ وغیرہ باستثنائے وقعہ، توبہ۔

(۱۹) عربی اسمائے ظرف مذکر ہوتے ہیں جیسے مکتب، مسکن، مقام، مشرق، مطر وغیرہ باستثنائے مجلس، محفل، مسطر، مسجد، مجال، مسند وغیرہ

(۲۰) اسمائے آلہ بہ استثنائے مقیاس مذکر مؤنث ہوتے ہیں۔ جیسے مقراض، میزان وغیرہ۔ باستثنائے مہار، مقیاس۔

لیکن بہ دون محفل مذکر ہوتے ہیں جیسے مجمر، مصفی وغیرہ باستثنائے مشعل۔ مگر بہ دون مفعلہ ہمیشہ مذکر ہوتے ہیں جیسے منطقے، مصفلہ وغیرہ۔

(۲۱) تمام فارسی حاصل مصدر جن کے آخر میں تی ہے مؤنث ہوتے ہیں۔ جیسے دانش خواہش، بخشش وغیرہ۔ جوش، نوش، خروش مستثنیٰ ہیں۔ (۱۲ ص کیونکہ جوشش، نوشش)

(۲۲) مرکب الفاظ جو دو لفظوں سے مل کر بنتے ہیں بغیر حرف عطف یا اضافت حرف عطف اُن کی تذکیر و تانیث میں بھی اختلاف ہے۔

(ا) جو لفظ مرکب اضافی یا ایک اسم اور ایک فعل سے مل کر بنتے ہیں وہ اکثر مؤنث ہوتے ہیں جیسے آمد و رفت، زد و کوب، نشست و برخاست، صلاح و مشورت، توفیق ہریہ، آرائش نمائش، گفت و شنید، آمد و شد، خرید و فروخت، آمد و رفت، داد و ستد، دار و گیر، گفت و شنید، آمد و رفت، داد و دہش، آمد و کاست، باستثنائے سود و زیاں، بد و نیک، سازو برگ۔

(ب) مگر ان میں ایک مؤنث اور دوسرا مذکر ہے، جو حرف عطف یا واو حرف عطف کی تذکیر و تانیث آخری لفظ کے لحاظ سے ہوگی۔ جیسے آب و ہوا، آب و دانہ، آب و غذا، آب و گل، کشت و خون، محبت و تاراج، عنایت نامہ، سلام و پیغام، خلوت خانہ وغیرہ۔ چیخ و تاب مستثنیٰ ہے مگر جب دو لفظوں کا ایک خاص معنوں میں آپس میں لفظ بولیں۔ جیسے گفتگو۔

ج جب دونوں جز مذکر ہوں تو مذکر اور دونوں مؤنث ہوں تو لفظ مؤنث ہوگا

جیسے آب و رنگ، آب و دانہ، آب و نمک، جن تینوں مذکر استعمال ہوتے ہیں۔ اور آب و ہوا، جز مذکر مؤنث ہیں مگر شیر برنج مستثنیٰ ہے۔ حالانکہ دونوں جز مذکر ہیں لیکن پھر بھی مؤنث ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ فرنی اور کھیر دونوں مؤنث ہیں لہٰذا شیر برنج بھی ان کا مترادف ہونے کی وجہ مؤنث ہی استعمال ہونے لگا۔ نیز شکر جس کے دونوں جز مؤنث ہیں مذکر آتا ہے اس لیے کہ گنے کا مترادف ہے چونکہ گنا مذکر مستعمل ہے اس لیے شکر بھی مذکر بولا جانے لگا۔

(۲۳) جن الفاظ کے آخر میں تاء، آب (سوائے مہتاب کے جس کے معنی ایک قسم کی آتش بازی کے ہیں) بان، دان، ستان، سار، زار ہوتا ہے وہ اکثر مذکر ہوتے ہیں جیسے سیہ تاء، پاسبان، گلاب، پیچوان، گلستان، بوستان، (باستثنائے مہتاب معروف) گرہ سار، لالہ زار وغیرہ۔

(۲۴) جن الفاظ کے آخر "گاہ" لگا ہوتا ہے وہ مؤنث ہوتے ہیں جیسے تعلیم گاہ، یادگار، قیام گاہ وغیرہ۔

(۲۵) بعض الفاظ ایسے بھی ہیں جو بعض معنوں میں مذکر ہیں اور بعض معنوں میں مؤنث۔ جیسا:-

دو پہر — جب دن کے خاص وقت کے لیے آتا ہے (جو بارہ بجے ہوتا ہے) تو مؤنث ہے جیسے دوپہر ڈھل گئی۔

دو پہر — جب یہ وقت کی مدت کے لیے استعمال کرتے کرتے دوپہر ہو گئے۔

گزر (مذکر) — گزرنے کا خاص مقدر ہے جیسے میرا گزر وہاں سے ہوا۔

گزر (مؤنث) — جیسے گزر اوقات، جیسے اس میں میری گزر نہیں ہوتی۔

بحث اور جھگڑے کے معنوں میں مؤنث، جیسے میری اس

سے مکرر ہوگئی۔

تکرار — کسی لفظ کے مکرر لانے کے معنوں میں مذکر جیسے اس لفظ کا تکرار قبیح ہے۔

آب — پانی کے معنوں میں مذکر۔

آب — صفائی یا چمک کے معنوں میں مؤنث جیسے موتی کی آب۔

مد — حصہ جزر جیسے دریا کا مد۔

مد — جیسے اس خط کے معنوں میں ہو حساب میں یا عرضی پر کھینچا جاتا ہے تو مؤنث ہے۔ بعض نے مذکر بھی کہا ہے۔

مد — حساب کے بیسے کے معنوں میں مؤنث جیسے روپیہ کوڑی کی مد سے دیا جاتا ہے۔

مد — الف ممدودہ کا نشان مذکر ہے۔

ترک — (عربی) بیٹے دست برداری مذکر ہے۔

ترک — (مؤنث) صفحہ کے آخر میں آئندہ صفحہ کی عبارت کا پہلا لفظ جو اس عرض سے لکھ دیا جاتا ہے کہ دستوں کے ملانے میں آسانی ہو "ترک تک کہ جلد کی مدد دو پہر تک نہیں" (اسیر)

عرض — طول کی ضد، مذکر۔ جیسے اس مکان کا عرض۔

عرض — یعنی التماس، مؤنث۔ جیسے میری یہ عرض ہے۔

کف — جھاگ کے معنوں میں مذکر

کف — توے یا پتیلی کے معنوں میں مختلف فیہ۔

تاک — ہاگنا سے اسم مؤنث ہے۔

تاک — انگوروں کی بیل کے معنوں میں مذکر۔

آبگ — قصد کے معنوں میں مذکر۔

آبگ — آدتر کے معنوں میں مؤنث

ال — تالاب کے معنوں میں مذکر

ال — فن موسیقی کے معنوں میں مؤنث

ال — بندوق کی نالی مؤنث

ال — ناف کے معنوں میں مختلف فیہ

ال — گھاس وغیرہ کی ڈنڈی مؤنث۔

ال — مکڑی یا بھڑ کا گنڈا جو پیلوان اٹھاتے ہیں، مذکر۔

ال — ایک خاص پھل کے معنوں میں مذکر

ال — باقی سب معنوں میں مؤنث

بال — یعنی باندھنا مذکر۔

بال — کاغذات مقدمہ مؤنث

بگل — یعنی عرف یعنے خاص شیخ۔ مذکر

بگل — یعنے نگارہ مؤنث۔

مغرب — یعنی مقام مغرب، مذکر

مغرب — یعنی وقت شام، مؤنث

(۱۲) عربی الفاظ کی جمع جب عربی قواعد کی رو سے آتی ہے تو اس کی تذکیر و تانیث میں صرف یاد رکھنا چاہیے کہ جو علامت واحد کی ہے وہی جمع کی ہوگی مثلاً لباس اور مسجد مؤنث ہیں تو ان کی جمع البسہ، مساجد اور مجالس بھی مؤنث ہیں کیونکہ یہ الفاظ اپنے مفرد ہیں۔ مثلاً اگر یہ مفرد "قیمت، قوت، شفقت" ہیں تو ان کی جمع معاف "مقاتیح، قوی اور اشفاق مذکر مستعمل ہیں۔ بعض

متاخرین اہل لکھنؤ کا یہ قول ہے کہ ہر لفظ کی عربی جمع مذکر ہی آتی ہے۔ یہ قاعدہ تو بہت اچھا ہے مگر اس کا کیا علاج کہ اہل زبان یوں نہیں بولتے۔ اہل دلی اور اہل اطراف مقامات کے لوگ بجز بعض مستثنیات کے ہمیشہ مؤنث کی جمع مؤنث اور مذکر کی مذکر ہی استعمال کرتے ہیں۔ جن حضرات کا یہ قول ہے کہ ہر عربی لفظ کی عربی ہی کی طرح بولنی چاہیئے انھیں یہ دھوکا اس وجہ سے ہوا ہے کہ بعض الفاظ مؤنث ہیں اگر جمع بھی اسی وزن پر آئی ہے جو واحد میں مذکر ہیں مثلاً عادۃ مذکر ہے اس کی جمع عوارت ہے لہٰذا یہ بھی مذکر ہے اور مذکر بولا جاتا ہے۔ یوں ہی متعلق بھی اس دھوکے میں اسے بھی مذکر بولنے لگے۔ لیکن یہ چند الفاظ مستثنیات میں سے ہیں۔ اس پر سے یہ قیاس قائم کر لینا کہ ہر عربی لفظ کی (خواہ مؤنث غیر حقیقی ہے خواہ تسلیم کرتے ہیں تو افعال یا صفات بھی اس کے لئے مثل مؤنث حقیقی کے استعمال کرنا ہیں اور کوئی فرق اس میں اور مؤنث حقیقی میں نہیں کرتے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ مؤنث حقیقی کو عربی جمع کو مؤنث بولیں اور مؤنث غیر حقیقی کی جمع کو مذکر۔ جب ایک بار وہ مؤنث قرار پا چکی تو پھر اس میں اور حقیقی مؤنث میں کسی قسم کا فرق نہ استعمال نہیں رہتا۔ ہمارے خیال میں تمام امکان اس قسم کے الفاظ کی (واو جمع استعمال کرنا بھی ہے، اگر یہ بعض مواقع پر عربی جملوں کا استعمال کرنا ناگزیر ہے۔ اسی حالت میں بجز چند مستثنیٰ الفاظ کے یہی قاعدہ یاد رکھنا چاہیے کہ مؤنث کی جمع مؤنث ہوگی اور مذکر کی جمع مذکر۔

(۲۹) ایک مسئلہ یہ بھی قابل بحث ہے کہ جو لفظ غیر زبانوں سے اردو میں داخل ہو گئے ہیں یا آئندہ داخل ہوں ان کی تذکیر و تانیث کا کیا قاعدہ ہوگا۔ ہمارے نزدیک اس کے متعلق یہ ہے کہ ایسے دخیل الفاظ کی تذکیر و تانیث کا فیصلہ اسی قسم کے دوسرے ان الفاظ کے مطابق ہو جو پہلے سے موجود ہیں کیا جائے۔ مثلاً جو نئے الفاظ کے ہم معنی

اردو کے مختلف معنوں کے لحاظ سے ایک ہی زبان میں آتے ہوں ان پر قیاس کر کے ان کی تذکیر و تانیث قرار دی جائے۔ مثلاً ریل کا لفظ ہے۔ یہ گاڑی کی قسم ہے گاڑی مؤنث ہے اور گاڑی کی اکثر قسمیں مؤنث ہیں اس سے لوگ خود بخود اسے بھی مؤنث بولنے لگے۔ اسی طریقہ پر اسٹیشن، فال ٹین، ٹن، کوٹ، بیب وغیرہ کی تذکیر و تانیث قرار پائی۔

یہی یہ قاعدہ جدید الفاظ کے لیے بھی ایسا ہی عام ہے جیسا قدیم الفاظ کے (یاد رکھیں لفظ کے آخر میں الف ہے یا آخری حرف الف کی آواز دیتا ہے وہ مذکر ہوگا اور جس کے آخر میں ی معروف جنسی وہ مؤنث ہوگا جیسے چائی اور پالی مستثنیٰ مؤنث ہیں اور سایا (پرچھائی) اور کمرہ مذکر ہیں۔

(۳۰) قاعدہ کوئی جدید نہیں ہے بلکہ اس پر ہمیشہ سے عمل رہا ہے۔ فارسی کے الفاظ تو ظاہر ہے اردو ہندی میں داخل ہوتے رہے ہیں۔ فارسی زبان میں بھی جو عربی الفاظ کی تذکیر و تانیث نہیں ہوتی۔ مگر جب یہ لفظ زبان میں آئے تو ان کی تذکیر و تانیث ہندی کے ہم معنی الفاظ کے موافق قرار دی گئی۔

(۳۱) قانون رائج کو مؤنث اس لیے کہا جاتا ہے کہ بجلی یا ٹیلی مؤنث بولی جاتی ہے۔ حالانکہ اس لیے کہ برس مذکر ہے۔

(۳۲) چند الفاظ ایسے ہیں جنھیں اہل زبان مذکر و مؤنث دونوں طرح بولتے ہیں۔ بعض الفاظ ایسے ہیں کہ وہ ایک جگہ مؤنث بولے جاتے ہیں اور دوسری جگہ مذکر بولے جاتے ہیں۔

۱ حلقہ	تلم	نکوہ	خط	طرار	نقاب

۱ حلقہ بمعنی دائرہ مذکر ہے اور بمعنی زنجیر مؤنث ہے۔ ۲ خط بمعنی تحریر مذکر ہے اور بمعنی سطر مؤنث ہے۔

مرتد مکرتیلہ کتا مادہ جاتو ف
کیف چھوٹک بیل بھیڑ بان گ
لف ۱ مذکر و مؤنث دونوں ہیں اور جمع بنانے کے لئے متابع قاعدے گیند ہا

اسلا عام طور سے مذکر ہے مگر اہل لکھنؤ میں مختلف فیہ ہے۔

ہا ۲ ہی اور آ کے نوع میں مؤنث ہے اگر اہل لکھنؤ میں مختلف فیہ ہے

پیچک (پیاسے معرفت) دلی میں مؤنث ہے۔ لکھنؤ اور یوپی کے اور حصے میں مذکر ہے۔ یہ لفظ زیادہ تر بولا جاتا ہے اور مذکر ہے۔

لہ مختلف فیہ

ٹہ اہل لکھنؤ مذکر کہتے ہیں۔ اہل دہلی مؤنث بولتے ہیں۔

ٹہ اہل لکھنؤ مذکر بھی بولتے ہیں۔

ٹہ اہل دہلی مؤنث اور اہل لکھنؤ مذکر بولتے ہیں۔

تعداد و حالت

اسم عام یا تو ایک ہوگا یا ایک سے زیادہ۔ اسی کو تعداد کہتے ہیں۔ ایک کو واحد اور ایک سے زیادہ کو جمع کہتے ہیں۔

اردو میں بھی دوسری ہندی آریائی زبانوں کی طرح تثنیہ نہیں ہوتا۔ سنسکرت اور عربی میں ہوتا ہے۔ تثنیہ اُسے کہتے ہیں جس میں دو کا ہونا پایا جائے۔ جیسے عربی میں رجلان (دو مرد) اور سنسکرت میں پترا (دو لڑکے)

اردو میں سوائے ان الفاظ کے جن کے آخر میں الف (یا اس کا کوئی ہم آواز حرف) ہوتا ہے ذکر کی صورت واحد اور جمع میں یکساں رہتی ہے۔ الف مؤنث کا جمع کیا جانے سے جمع کی صورت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ درمیان کے الفاظ میں جمع کی غرض سے جو تبدیلیاں ہوتی ہیں وہ مؤنث بھی ہوتی ہیں۔ ذیل کے قاعدوں میں ان سب تبدیلیوں کی تصریح کی جاتی ہے۔

اسم کی پہچان دو قسم کی ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے جب اسم بغیر کسی حرف کے آئے۔ دوسری صورت وہ ہے جب اسم کے بعد کوئی حرف ربط ہو۔

پہلے ہم ان تبدیلیوں کو بیان کریں گے جب کہ اسم کیساتھ کوئی حرف ربط نہیں ہے

۱۔ جن واحد مذکر الفاظ کے آخر میں الف ہے، جمع میں یہ الف یائے مجہول میں بدل جاتا ہے۔ جیسے:-

واحد	جمع	واحد	جمع
لڑکا	لڑکے	پتہ	پتے
لڑکا آیا	لڑکے آئے	پتہ گرا	پتے گرے

جن الفاظ کے آخر میں ہمیشہ ہ ہوتی ہے جو الف کی آواز دیتی ہے وہ فارسی یا عربی سے آئے ہیں۔ جیسے بندہ، دیوانہ، پنجہ، خانہ، مدرسہ، تماشا، جلسہ وغیرہ۔ ہندی الفاظ کو الف ہی سے لکھنا چاہیئے لیکن رسم خط کی وجہ سے بعض نام ہا ہی سے لکھے جاتے ہیں۔ جیسے، آگرہ، لکھنؤ، وغیرہ۔

۲۔ بعض واحد مذکر لفظ جن کے آخر میں الف ہوتا ہے جمع میں ے سے بدل جاتے ہیں۔

(ا) اس میں کچھ لفظ تو ایسے ہیں جو خالص مشکرت ہیں اور یہیں سے لیے جیسے ماتا، دادا وغیرہ۔

(ب) رشتہ داروں کے نام، ابا، بھیا، چچا، دادا، بھیا، آقا، پتا۔

(ج) فارسی کے اسم فاعل جیسے داتا، بینا، آشنا، شناسا۔

(د) غیر زبانوں کے بعض اسم جیسے مدرسہ، ہوا، صحرا وغیرہ۔

۳۔ جن واحد مذکر الفاظ کے آخر میں آیا ہ نہیں ہوتی ان کی واحد اور جمع میں ایک صورت رہتی ہے جیسے:۔

واحد	جمع	واحد	جمع
بھائی آیا	بھائی آئے	بیل آیا	بیل آئے
گھوڑا گیا	گھوڑے گئے	لڈو کھایا	لڈو کھائے

۴۔ جن واحد مذکر لفظوں کے آخر میں (ا) (الف اور نون غنہ) ہوتا ہے ان کی جمع میں واحد کا الف ہوتے سے بدل جاتا ہے۔ جیسے دھواں سے دھوئیں

بادل سے بدلیں۔

مونث الفاظ کی جمع مذکر سے مختلف طرح پر بنتی ہے۔ قواعد کے بیان سے اس کی اہمیت معلوم ہوگی۔

۱۔ جن مونث واحد الفاظ کے آخر میں ی (یاے معروف) ہو ان کی جمع کے لیے ی کے بعد (ں) بڑھا دیتے ہیں جیسے لڑکی سے لڑکیاں، گھوڑی سے گھوڑیاں، کرسی سے کرسیاں۔

۲۔ جن مونث واحد الفاظ کے آخر میں الف ہوتا ہے جمع میں اس کے بعد ئیں (ا ں) بڑھا دیتے ہیں جیسے گھٹائیں، مائیں، بھائیں، قبائیں، ہوائیں۔

۳۔ جن مونث واحد الفاظ کے آخر میں یا ہو ان کی جمع میں صرف (ں) بڑھا دیتے ہیں جیسے گڑیا سے گڑیاں، بڑھیا سے بڑھیاں، چڑیا سے چڑیاں۔

اس قسم کے لفظ اکثر اسم تصغیر ہوتے ہیں۔ جیسے ڈبیا، پڑیا، بڑیا وغیرہ۔

غیر زبانوں کے الفاظ جو یا پر ختم ہوتے ہیں۔ اس قاعدے کے تحت میں آتے ہیں مگر ان کی جمع قاعدے کے سابق بنتی ہے جیسے دریا، صحرا وغیرہ کی جمع یائی ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اردو ہندی لفظوں میں یا الف ہے جو تصغیر یا صفت بنانے کے لئے لگایا جاتا ہے۔ غیر زبانوں کے الفاظ میں جو اصل لفظ کا جز ہے اس لیے یہ سمجھنا چاہیئے کہ آخر میں یا نہیں بلکہ الف ہے۔

۴۔ جن مونث واحد الفاظ کے آخر میں ان میں سے کوئی حرف نہیں ہوتا ان کو اگر اوپر کے تین قاعدوں میں سے کوئی قاعدہ نہیں لگتا تو ان کی جمع کے لئے آخر میں (ی ں) لگا دیا جاتا ہے جیسے، ان سے مانیں، کتاب سے کتابیں، گاجر سے گاجریں، گائے سے گائیں، بات سے باتیں۔ جورو سے جوروئیں۔

بھوں کی جمع بھویں ہوتی ہے۔ ہندی میں بھوں کے آخر کا نون غنہ محذوف

اعراب کا کام دیتا ہے کوئی حرف نہیں ہے اس لیے [illegible]
[illegible] لفظ کے آخر میں وہ ہے [illegible] رہتی ہیں۔

تفصیل [illegible] کے لیے جو حد یہاں ہوتی ہیں ان کا ذکر ہو چکا۔ اب ان [illegible]
کو [illegible] جو حروف [illegible] کے آنے سے [illegible] ہیں۔

حروف [illegible] یہ ہیں [illegible]

۱۔ جن واحد الفاظ کے آخر میں ا یا ہ ہوتی ہے وہ ان حروف کے آنے سے [illegible]
یائے مجہول سے بدل جاتے ہیں جیسے لڑکے نے کہا [illegible]
[illegible]

لیکن [illegible] کے الفاظ اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں۔

(۱) وہ [illegible] الفاظ جو خالص سنسکرت ہیں یا [illegible] اصل سے بہت کم [illegible]
ہوتی [illegible] جیسے [illegible]

(ب) [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

(ج) عربی [illegible] جیسے [illegible]
[illegible]
[illegible]

(د) [illegible] عربی الفاظ [illegible] کے آخر میں الف ہے

جیسے [illegible] ادا، [illegible] ابتدا [illegible] وغیرہ جیسے [illegible]
[illegible] بہت مشکل ہے۔

[illegible] وغیرہ۔ جیسے یہ بات میرے منشا کے خلاف ہے۔
مگر ایسے عربی الفاظ جو اردو میں گھل مل گئے ہیں اس سے مستثنیٰ ہیں [illegible]
دوسرے لفظوں کی طرح تبدیلی ہوتی ہے۔ جیسے اس نے اپنے [illegible]
[illegible] اس کے تقاضے سے تنگ آ گیا ہوں۔

(الف) [illegible] کے نام جیسے [illegible]
[illegible] وغیرہ۔ جیسے [illegible]

(ب) جغرافیائی ناموں میں جن کے آخر میں الف یا ہ ہوتی ہے تبدیلی ہو جاتی ہے
جیسے [illegible]
جیسے [illegible]

[illegible] سنسکرت نام اس سے مستثنیٰ ہیں جیسے [illegible]
[illegible]

اسی طرح [illegible] کے [illegible]
[illegible] وغیرہ۔

جہاں [illegible] کے آخر میں الف یا ہ نہیں ہوتی وہاں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی جیسے [illegible]
[illegible] وغیرہ۔

۲۔ [illegible] آخر میں [illegible] سے بدل جاتا ہے جیسے [illegible]
[illegible]

۳۔ پانچواں [illegible] ساتویں سے ساتویں [illegible] وغیرہ
میں الف یائے مجہول سے بدل جاتا ہے۔

۵۔ ایسے عربی الفاظ جن کے آخر میں ح ہوتا ہے جب ان کے بعد حروف ربط آتا ہے تو ح کے بعد (ے) بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے مصرعے میں لکھتے ہیں۔

۶۔ جمع کی حالت میں حروف ربط کے آنے سے یہ تبدیلیاں ہوتی ہیں۔

(ا) مذکر اسماء میں جمع کے لئے آخر میں واؤ بڑھا دیتے ہیں جیسے شہروں کا، ماجاؤں نے، والیوں کو۔

ایسے الفاظ جن کے آخر میں الف یا ہ ہوتی ہے جمع کی حالت میں حروف ربط آنے سے جمع کی (ے) گر جاتی ہے جیسے لڑکوں نے، پردوں میں۔

(ب) جمع مؤنث کا (الف نون) یا (ی ں) بھی (و ں) سے بدل جاتا ہے۔ جیسے، لڑکیوں نے، دھوبنوں کو۔

(ج) جن الفاظ کے آخر میں ہاؤ ہوتی ہے خواہ وہ مذکر ہو یا مؤنث حروف ربط کے آنے سے ان کی جمع دونوں صورتوں میں ایک ہی ہوتی ہے یعنے آخر میں (وں) بڑھا دیا جاتا ہے۔ جیسے جوروں، آندھوں، بہوؤں وغیرہ۔

حرف کے بعد اسم کی یہ چند حالتیں ہیں جو جمع کی صورت میں یا حروف ربط کے آنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن بلحاظ معنی بھی اسم کی چند حالتیں ہیں جن کا بیان نحو میں آنا چاہیئے۔ مگر حرف میں بھی بعض اوقات ساده خاص کر فعل کے بیان میں ان کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے سرسری طور سے ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ تفصیلی بیان نحو میں ہوگا۔

۱۔ فاعلی حالت۔ یہ اسم کی وہ حالت ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی کام کا کرنے والا ہے یا وہ کسی خاص حالت میں ہے۔ جیسے احمد گیا۔ رام نے کھانا کھایا۔ وہ بیمار ہو گیا۔

اس حالت میں اسم کے ساتھ کبھی تے آتا ہے اور کبھی خبر کے استعمال ہوتے ہے

مفعولی۔ یہ وہ حالت ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسم پر کام کا اثر واقع ہے جیسے میں نے سانپ مارا۔ یہاں مارنے کا اثر سانپ پر واقع ہے اس لئے سانپ مفعولی حالت ہے۔ اس نے احمد کو کتاب دی۔ یہاں احمد اور کتاب دونوں مفعولی حالت میں ہیں۔ میں نے رام سے کہا۔ یہاں رام مفعولی حالت میں ہے جو اسم مفعولی حالت میں ہوتا ہے اس کے ساتھ کبھی کو اور کبھی سے آتا ہے اور کبھی ان دونوں حروف میں سے کوئی بھی نہیں آتا۔

ندائی۔ جس سے کسی کا پکارنا ظاہر ہو۔ جیسے احمد! یہاں آؤ۔ لڑکے! کیا کرتے ہو؟ ندائی حالت میں اگر اسم مذکر اسم کے آخر میں الف یا ہ ہو تو وہ بائے مجہول سے بدل جاتے ہیں۔ جیسے لڑکے، طوطے، مگر اسم جمع میں آخر کا (ے) گر جاتا ہے جیسے لڑکو! طوطو! لڑکیو! بہنو! عورتو! شعر۔

لیکن "ہے" کا لفظ بعض اوقات ندائی حالت میں بھی غیر ذی روح کے بھی استعمال ہوتا ہے یعنی دونوں طرح جائز ہے۔ جیسے بچا! یہ بات اچھی نہیں ہے۔ بیٹے! ایسا نہیں کرتے۔

خبری۔ وہ اسم جو جملہ خبر کے واقع ہوتا ہے جیسے وہ بیمار ہے۔ عامد اس جملہ کا حاکم ہے۔ ان جملوں میں بیمار اور حاکم دونوں خبری حالت میں ہیں۔

اضافی۔ جس میں کسی ایک اسم کو دوسرے سے نسبت دی جائے یعنی ایک اسم کا علاقہ یا تعلق کسی دوسرے اسم سے ظاہر کیا جائے جیسے احمد کا گھوڑا۔ یہاں گھوڑے کا تعلق احمد سے بتایا گیا ہے۔ اس لیے یہ مضاف ہے اور جس سے نسبت یا علاقہ ظاہر کیا جائے اسے مضاف الیہ کہتے ہیں۔ اس جملے میں احمد مضاف الیہ ہے۔

حروف اضافت واحد مذکر میں (کا) جمع میں (کے) اور واحد اور جمع مؤنث میں (کی) آتے ہیں۔

	واحد	جمع
مذکر	احمد کا گھوڑا	احمد کے گھوڑے
مؤنث	احمد کی بلی	احمد کی بلیاں

طور طریق ۔ جس سے طور، طریقہ، اسلوب، ڈھب، سلیقہ اور قاعدہ معلوم ہو۔ جیسے شوق سے پڑھنا ہے۔ اس نے تو ہمارے ناک میں دم کر رکھا ہے۔

اسما کی تصغیر و تکبیر

تصغیر کے معنی چھوٹا کرنے کے ہیں۔ بعض اوقات الفاظ میں کمی بیشی کر کے یا بعض حروف کے اضافے سے اسما کی تصغیر بنا لیتے ہیں۔

(۱) کبھی تصغیر محبت کے لیے بنائی جاتی ہے۔ مثلاً چاند سے چندا، بیٹی سے بٹیا۔

(۲) کبھی حقارت کے لیے جیسے مرد سے مردوا، بوڑھے سے بڈھا۔

(۳) کبھی پہچان کے لیے جیسے تیز سے شیخی یا ستھنی۔ اردو میں اسما کی تصغیر کئی طرح آتی ہے۔

(۱) الفاظ کے آخر میں (ا)، (و)، بڑھا دینے سے جیسے بڑھیا سے بڑھیا، مرد سے مردوا، چاند سے چندا۔

(۲) بعض اوقات مذکر کو مؤنث بنانے سے مثلاً شیخی سے شیخنی، ٹھاکر سے ٹھکرائن۔

(۳) بعض اوقات مختلف حالات (ڑا، ڑی، ل، یا، ولیہ) بڑھانے سے اور الفاظ میں کمی بیشی کرنے سے جیسے آنکھ سے انکھڑی، گھٹنے سے گھٹرنی

کہ سے کھڑا، پلنگ سے چارپائی، بھی سے چیڑا، کھوڑا سے کوڑیلی، ناد سے نادیا۔
کھٹ سے کھٹولا، سانپ سے سپولیا، سپیرا، سانگ (سانگ) بھوت سے بھوتنا، گھر (گھاٹ) سے گھاٹیا، لونڈا سے لونڈیا[1] بڈی سے بڈیا۔

بعض حالات بعض علامات سے ہے روپیہ کو روپلی بولتے ہیں۔ سونا سے ایک گہنا شاعر کو خارات سے شاعرہ کہا ہے۔ بعض اوقات اسم خاص کی تصغیر تحقیر کے لیے بنا لیتے ہیں جیسے کھوپی سے کھوپا، کاپیری سے کاپیا، یا بگلی سے بگلیا

فارسی میں چہ کہ دیوک علامات تصغیر ہیں مثلاً طفلک، مرکب، شکیزہ۔

تصغیر کی ضد تکبیر ہے جس کے معنی ہیں بڑا کرنا یا بڑھانا۔ بعض اسمی گرانقدر کے لیے کسی قدر تعریف بڑا یا بھاری بھرکم کر کے بولتے ہیں جیسے خدوم سے خدوم۔ اگر یہ خدوم چھوٹے ہیں لیکن بعض اوقات کسی شخص کو تحقیر سے (جو بڑا بنا ہے) خادم کہتے ہیں جیسے بڑا خدوم بنا بیٹھا ہے۔ اسی طرح پگڑی سے پگڑ، ٹھٹری سے ٹھٹرا، بات سے بتنگڑ۔

کبھی حروف کا اضافہ شروع میں لگا کر بناتے ہیں۔ جیسے شہنشہ، شہنشاہ، بہت شاہزادہ، شہسوار، شاہکار۔ یہ اصل میں فارسی ترکیب ہے اور اردو میں عام طور پر مروج ہے۔

اسی طرح ہندی الفاظ کے شروع میں "مہا" (سنسکرت) لفظ بڑھا کر تکبیر بنا لیتے ہیں، جیسے مہا کوی، مہاراج وغیرہ۔

---

[1] لونڈیا کے متعلق لکھتے ہیں "لونڈی" اور بعض کے نزدیک یہ اس کی اصلیت علوم ہوتی ہے اور بعض جگہ یہ لفظ "خادم" کے معنی میں استعمال کرتے ہیں جیسے "تیری" کا لونڈا

۲۔ صفت

اسم کی وہ صفت ہے جو کسی اسم کی حالت یا کیفیت ظاہر کرے
صفت ہمیشہ اسم کی حالت کو معلوم کرتی ہے۔ مثلاً "اچھا لڑکا" "جاہل آدمی"
"شریر لڑکا"

اس کی کئی قسمیں ہیں

۱۔ صفت ذاتی
۲۔ صفت نسبتی
۳۔ صفت عددی
۴۔ صفت مقداری
۵۔ صفت ضمیری۔

(۱) صفت ذاتی

وہ ہے جس سے کسی چیز کی اندرونی حالت یا خصوصیت ظاہر ہو جیسے "بھلا"
"بُرا" "سفید" "شریر" "چالاک"۔

(۱) بعض اوقات یہ صفات دوسرے اسماء افعال سے بھی بنائی جاتی ہیں مثلاً
(لڑنا سے) "لڑاکا" (جھگڑنا سے) "جھگڑالو" (ڈھلنا سے) "ڈھلواں" (کھانا سے) "کھاؤ" (بکنا سے)
"بکاؤ" (لکھنا سے) "لکھوکھٹ" (بھولنا سے) "بھلکڑ" (چرانا سے) "چرواہا" (ہنسنا سے) "ہنسوڑ"
(اڑنا سے) "اڑاکو" (بھاگنا سے) "بھگوڑا"۔

(۲) یہ صفات بعض اوقات کئی کلمات کے اتحاد سے مرکب ہوتی ہیں مثلاً "ہنس مکھ"
"من چلا" "منہ پھٹ" وغیرہ۔

(۳) بعض فارسی صفات عربی "ہندی" الفاظ کے ساتھ آکر صفت کا کام دیتی ہیں۔
جیسے "عبادت خور" "نمک حرام" "بے ہنر" "بے ادب" "بے شعور" وغیرہ۔

(۴) فارسی عربی ذاتی صفات بھی اردو میں کثرت سے مستعمل ہیں۔ جیسے "دانا" "احمق"
"شریف" "خبیث" "خوب" وغیرہ۔

(۵) "سے" کا حرف مقابلہ کے لیے آتا ہے۔ جیسے "لمبا سے بڑا" "دبلا سے نحیف"
"کم سے زیادہ میٹھا" "اردو سے بڑھ کر مفید" "دودھ سے بڑا ہے۔ یہ پیڑا
اس سے اچھا ہے" "چاندی میں پیتل سے بھاری ہوتا ہے"۔

کبھی "میں" بھی اس معنوں میں استعمال ہوتا ہے جیسے "سب میں بڑا بھی ہے"۔

(۶) بعض اوقات صفات میں زیادتی تعداد یا مبالغہ پیدا کرنے کے لیے بعض الفاظ
بڑھا دیے جاتے ہیں۔

بہت۔ جیسے "بہت اچھا" "بہادر" "چالاک" اس طریقہ سے بہت بڑا ہے۔
بڑا۔ "بڑا گہرا" "تالاب" "بڑا لمبا سانپ"
زیادہ۔ "زیادہ اچھا ہے" "زیادہ سمجھتا ہے"۔
نہایت۔ "نہایت عمدہ" "نہایت لعین" (عربی ذاتی صفات کے ساتھ آتا ہے)
کہیں۔ "اس سے کہیں بہتر ہے"۔
سے۔ "بڑے سے بڑا" "اچھے سے اچھا"۔
بعض اوقات (ایک) کا لفظ بھی مبالغہ کے لیے آتا ہے۔ جیسے "وہ ایک چلتا ہوا
ہے" "ایک بدذات ہے"۔

یہ جو چشم پر آب ہیں دونوں
ایک خانہ خراب ہیں دونوں

لیکن اس کا استعمال ذم کے موقع پر ہوتا ہے۔
کبھی بہت اور زیادہ دونوں ساتھ آتے ہیں۔ جیسے "وہ بہت زیادہ فربہ ہے"۔
کبھی "بدرجہا" بھی اسی طرح استعمال ہوتا ہے۔ جیسے "یہ اس سے بدرجہا بہتر

ہے۔ یہ اس سے ہزار درجہ اچھی ہے۔

اسی طرح اگلی، اگلے کا، اگلی نسبت کا، اول، اول درجے کا، پہلے درجے کا، پہلے سرے کا، یہ سب لفظ بھی یہی کام دیتے ہیں جیسے اگلی درجے کا ماہر، اول نمبر کا، پہلے درجے کا بیوقوف، پہلے سرے کا احمق۔

معنی صفات ذاتی اُردو میں چند حروف یا علامتیں ہیں جو اسموں کے آخر میں لگانے سے صفات میں ذاتی کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسے۔

ا	جیسے	اگلی	امر	(خدمت والی)
ان	جیسے	اجان	آن بان	
ر	جیسے	نرمل	نراس	
سے	جیسے	بے دھڑک	بے سر بے پیر	
ک	جیسے	کرشمہ	کرشمہ	
ل	جیسے	بن سرا	بن بجی (دیس)	
ن	جیسے	شتر بکی	گھوڑا	

مگر یہ سب عربی الفاظ کے ساتھ فارسی عربی کی علامتیں استعمال ہوتی ہیں۔ مثلاً نظام ناجیا (فارسی علامت) غیر ملکی (عربی علامت) بے وقوف (فارسی علامت)

(۱) صفات نسبتی

صفات نسبتی وہ ہیں جن سے کسی دوسری شے سے لگاؤ یا نسبت ظاہر ہو۔ مثلاً ہندی، عربی وغیرہ۔

(۱) عموماً یہ لگاؤ اسماء کے آخر میں یائے معروف کے بڑھانے سے ظاہر ہوتا ہے جیسے فارسی، ترکی، ہندوستانی، آبی، پیادی وغیرہ۔

(۲) جب کسی اسم کے آخر میں (ی) (ہ) یا (ا) ہو تو بہ تو اگلے واؤ سے

دال کر (ی) بڑھا دیتے ہیں جیسے دہلی سے دہلوی، متبریز سے متبریزی، مغل سے مغلوی، اصفہان سے اصفہانی وغیرہ۔

۳۔ بعض اوقات (ہ) کو حذف کر دیتے ہیں۔ جیسے مکہ سے مکی، مدینہ سے مدنی۔

۴۔ بعض اوقات (ا) بڑھانے سے نسبت ظاہر کرتے ہیں۔ جیسے خلوا، حلوا، مربا (یہ فارسی ترکیب ہے)

۵۔ ہندی میں بھی چند علامتیں ہیں جن کے اسم کے آخر میں آنے سے صفت نسبتی پیدا ہو جاتی ہے۔

ا یا (ہندی میں (ر) اور (ل) کا مل عام طور پر ہوتا ہے) جیسے سنہرا، روپہلا، بھورا، اجلا۔

وان۔ جیسے گجراتیوان۔

ار۔ جیسے گنوار (گاؤں سے)

والا۔ جیسے سانولا، رنگیلا، شیلا، کیلا، بھلا، پھلا، اگلا۔

والا۔ جیسے بکنے والا۔

ا جیسے تپاک کا غصب کا۔

ما جیسے چاند سا۔

(۳) صفت عددی

جس سے تعداد کسی اسم کی معلوم ہو۔

۱۔ تعداد دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک جب ٹھیک طور کسی شے کا معلوم ہو جیسے پانچ آدمی، چھ گھوڑے۔ اسے تعداد معین کہتے ہیں۔

دوسرے جب ٹھیک ٹھیک تعداد کسی شے کی نہ معلوم ہو جیسے چند لوگ، بعض

ہے۔ یہ اس سے ہلکا دوسرا اچھا ہے۔

اسی طرح اعلیٰ درجے کا، اول نمبر کا، اول درجے کا، پہلے درجے کا، بہتر سے بہتر سے کا، کے مفہوم میں کام آتے ہیں جیسے اعلیٰ درجے کا مال، اول نمبر کا پان، پہلے درجے کا جوتوف، بہتر سے بہتر کا انتخاب۔

معنی صفات ذاتی اردو میں چند حروف یا علامتیں ہیں جو اسم کے ساتھ لگ کر اسی میں ملی کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسے۔

ا	جیسے	اُگی	امر	(خبر دینے والا)
ان	جیسے	انجان	آن ل	
ر	جیسے	نرل	تاس	
سے	جیسے	بے دھڑک	بے سر بے پیر	
ک	جیسے	کڑوا	کڑوا سچ	
بی	جیسے	بن سمرا	بن بجی (دین)	
ن	جیسے	ٹھنڈا	گنوارا	

مگر فارسی عربی الفاظ کے ساتھ فارسی عربی کی علامتیں استعمال ہوتی ہیں۔ مثلاً نادان (نا بیجا فارسی علامت غیر ممکن (عربی علامت) بے وقوف (فارسی علامت)

(۱) **صفات نسبتی**

صفات نسبتی وہ ہیں جن سے کسی دوسری چیز سے لگاؤ یا نسبت ظاہر ہو۔ مثلاً ہندی عربی وغیرہ۔

(۱) عموماً یہ لگاؤ اسما کے آخر میں یائے معروف کے بڑھانے سے ظاہر ہوتا ہے جیسے فارسی، ترکی، ہندستانی، آل، یہودی وغیرہ۔

(۲) جب کسی اسم کے آخر میں (ی) یا الف یا (ا) ہوتا ہے تو اکثر واؤ سے

دال کر (ی) بڑھا دیتے ہیں جیسے دہلی سے دہلوی، مدینہ سے مدینوی، مغل سے مغلوی، جیسل سے جیسوی۔

۳۔ بعض اوقات (ہ) کو حذف کر دیتے ہیں۔ جیسے مکہ سے مکی، مدینہ سے مدنی۔

۴۔ بعض اوقات (ا) بڑھانے سے نسبت ظاہر کرتے ہیں۔ جیسے خلوا، حلوا، مربا (یہ فارسی ترکیب ہے)

۵۔ ہندی میں بھی چند علامتیں ہیں جن کے اسم کے آخر میں آنے سے صفت نسبتی پیدا ہوتی ہے

(۱) یا (ہندی میں (ر) اور (ل) کا میل عام طور پر ہوتا ہے) جیسے سنہرا، روپہلا، بھورا، گہرا۔

واں۔ جیسے مغربی واں۔

ار۔ جیسے گنوار (گاؤں سے)

الا، الا۔ جیسے سانولا، رنگیلا، شرابی، کیلا، بھنگیلا، پھیلا، اگلا۔

والا۔ جیسے بھگنے والا۔

ا جیسے تپاک کا تپکنا۔

ما جیسے چاند سا۔

(۳) **صفت عددی**

جس سے تعداد کسی اسم کی معلوم ہو۔

۱۔ تعداد دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک جب ٹھیک طور کسی شے کا معلوم ہو جیسے پانچ آدمی، چھ گھوڑے۔ اسے تعداد معین کہتے ہیں۔

دوسرے جب ٹھیک ٹھیک تعداد کسی شے کی نہ معلوم ہو جیسے چند، کئی، بعض

شخص۔ اسے تعداد غیر معین کہتے ہیں۔

۲۔ تعداد غیر معین کے لیے اکثر یہ الفاظ مستعمل ہوتے ہیں۔

کئی، بعض، سب، کل، بہت، بہت سے، تھوڑا، تھوڑے، کم، کچھ۔

۳۔ تعداد معین کی تین قسمیں ہیں۔

ایک تعداد معمولی جیسے دو، تین، چار وغیرہ کل اعداد

(ف) پراکرت سے ہندی الفاظ بنانے میں آخری حرف علت عموماً گرا دیا گیا ہے۔ حروف ربط خارج کر کے درمیانی حرف علت پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ یہاں سنسکرت اور پراکرت کے اصل ہندسوں کا لکھنا اور یہ بتانا کہ موجودہ ہندی ہندسے کیسے بنے ہیں دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

	سنسکرت	ایک	پراکرت	ایکا	ہندی	ایک
۲	"	دوا، دوی	"	دو	"	دو
۳	"	تری	"	تی، تین	"	تین
۴	"	چتُر	"	چتاری	"	چار
۵	"	پنچن	"	پانچا	"	پانچ
۶	"	ششن	"	چھا	"	چھ[1]
۷	"	سپتن	"	ستّا	"	سات
۸	"	اشٹن	"	اٹھا	"	آٹھ
۹	"	نوا، نون	"	نا	"	نو
۱۰	"	دشن	"	دسا	"	دس

[1] ش چھ کا سے بدل گیا۔

اس کے آگے کے ہندسے اکائیوں اور دہائیوں کے ملنے سے بنتے ہیں اور ان میں جو تبدیلی ہوئی ہے وہ ظاہر کی جاتی ہے۔ اول پراکرت (دسا) ہندی گیارہ، بارہ، تیرہ، چودہ، پندرہ، سولہ، سترہ، اٹھارہ، انیس، بیس

(ف) سنسکرت اکادشن (یعنی ایک اوپر دس) پراکرت (ایا۔ دسا) ہندی اگیارہ سے گیارہ (ہندی میں سنسکرت کا ک گ سے بدل گیا اور اول کا حرف علت گر گیا)

	سنسکرت	دوادشن	پراکرت	بارسا	ہندی	بارہ
۱۳	"	ترپودشن	"	تیرسا	"	تیرہ
۱۴	"	چترودشن	"	چودسا	"	چودہ
۱۵	"	پنچادشن	"	پنرسا	"	پندرہ
۱۶	"	شوڈشن	"	سولسا	"	سولہ
۱۷	"	سپتدشن	"	ستّرسا	"	سترہ
۱۸	"	اشٹادشن	"	اٹھارسا	"	اٹھارہ
۱۹	"	اُن وِن شتی	"	اگنوی سی	"	انیس
۲۰	"	وِن شتی	"	وی سی	"	بیس

ان ہندسوں میں یہ امر قابل لحاظ ہے کہ خلاف معمول ۱۹ کا ہندسہ ہر دو زبانوں میں ۲۰ اور اگلی دہائی سے ایک کم کرنے سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ سنسکرت میں ایک اون کہتے ہیں ایک کم کرنے کے معنی کرا اور یہ سنسکرت ونی کا بگڑا ہوا ہے۔ جیسے ایک کم بیس (اسی طرح اُنتیس ایک اون تیس) یعنی ایک کم تیس ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اُن تیس، اُنچاس، اُنسٹھ، اُناسی ہیں مگر نواسی (نو اور اسی) سے تا نوے (نو اور نوے) باقاعدہ ہیں

۳۰	سنسکرت	ترپن شت	پراکرت	تیسا	ہندی	تیس
۴۰	"	چتوارنشت	"	چتالیسا	"	چالیس
۵۰	"	پنچاشت	"	پنچاسا	"	پچاس
۶۰	"	ششٹی	"	سٹی	"	ساٹھ
۷۰	"	سپت تی	"	سترری	"	ستر
۸۰	"	اشٹی	"	اسی ای	"	اسی
۹۰	"	نوتی	"	نادسے	"	نوے
۱۰۰	"	شت	"	ستا سیا	"	سو

(شت) پراکرت (ساد) سے (سو) یا (سے) بنا۔

تعداد معین کی دوسری قسم تعداد ترتیبی ہے، جس سے ترتیب کسی شے کی معلوم ہوتی ہے۔ جیسے ساتواں، پانچواں وغیرہ۔ اس کے بنانے کا قاعدہ یہ ہے کہ تعداد معین کے آگے (واں) لگاتے ہیں۔ لیکن پہلے چار عدد اور پہلے کا ہندسہ اس قاعدے سے مستثنیٰ ہے۔ ان کی تعداد ترتیبی یہ ہے۔

پہلا، دوسرا، تیسرا، چوتھا، چھٹا۔

بعض اوقات اعداد کے آگے (دن) اظہار گنتی کے لیے بڑھا دیا جاتا ہے جیسے پانچوں، تینوں، چھوں جانے رہے، چاروں موجود ہیں، دونوں آگئے۔ اس میں لفظ دو بجائے دو کے استعمال ہوا ہے اور اس کے آگے وں بڑھایا گیا ہے۔ بعض اوقات مزید تاکید کے لیے اُٹھ دہرا دیتے ہیں، جیسے دونوں پہلے دونوں چلے گئے۔ ساتوں کے ساتوں موجود ہیں۔

فارسی میں عدد کے آخر میں (یکم) بڑھا دیتے ہیں جیسے یکم، دوم، سوم، چہارم وغیرہ۔

تیسری قسم تعداد معین کی تعداد اضافی ہے، جس میں کسی عدد کا ایک یا ایک سے زائد بار دہرایا جائے۔ اردو میں کئی طرح مستعمل ہے۔

۱۔ عدد کے آگے گنا بڑھانے سے جیسے دگنا، تگنا، چوگنا وغیرہ۔ بھی یا گونہ (فارسی) اصل سنسکرت کے لفظ گون سے ہے، جس کے معنی ضرب کے ہیں۔

۲۔ چند (فارسی) کے بڑھانے سے جیسے دوچند، سہ چند، ہ چند وغیرہ۔

۳۔ ہرا بڑھانے سے جیسے دوہرا، تہرا، چوہرا۔

ہرا بہ حقیقت اِرا کا مخفف ہے جو سنسکرت کے لفظ ارت سے مناسبت۔

بعض اوقات تعداد معین کے آگے ایک کا لفظ بڑھا دینے سے تعداد غیر معین ہو جاتی ہے جیسے پچاس ایک آدمی بیٹھے تھے، جس کے معنے ہوں گے تھوڑا یا کم و بیش پچاس۔ اسی طرح بیس ایک، دو ایک، ایک، ایک آدھ وغیرہ۔

دس، بیس، پچاس، سیکڑہ، ہزار، لاکھ، کروڑ، پدم کی حالت میں تعداد غیر معین کے معنوں میں آتے ہیں اور اس سے کثرت کا اظہار ہوتا ہے۔ جیسے بھلے لوگ کام ہیں، اس مکان میں بیسیوں (یا بیسیوں) کمرے ہیں۔ ہر روز سیکڑوں آدمیوں سے ملنا پڑتا ہے۔ ہزاروں آدمی جمع تھے۔ لاکھوں روپیہ صرف ہوگا۔

اسی طرح ان کی فارسی جمع صد ہا، ہزارہا، لکھوکھا، کروڑہا بھی اسی طرح سے استعمال ہوتی ہے۔

کسری اعداد۔ یہ بہت بے قاعدہ ہیں۔ زیادہ معروف ذیل میں دیے جاتے ہیں۔

پاؤ	(¼)	پونے	(۰ ¾)
چوتھائی	(¼)	سوا	(۱ ¼)
ثلاث	(½)	ڈیڑھ	(۱ ½)
آدھا	(½)	ڈھائی (اڑھائی)	(۲ ½)

پاؤں (پچھلے) ساڑھے (۱+۲)

پاؤ اکثر تنہا یا ڈیڑھ وغیرہ کے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ رضاعت اور بعض تنہا کے موقع پر جو تھائی کے لفظ کو ترجیح دی جاتی ہے۔ پونے کہتے ہیں کہ اس عدد یا مقدار میں سے ایک چوتھائی کم۔ یہ اعداد نیز مقدار اور پیمائش کے الفاظ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ "سوا" کا بھی یہی استعمال ہے۔ جب کسی اسم کے ساتھ آتا ہے تو یہ معنی ہیں کہ وہ عدد یا مقدار اور ایک چوتھائی جیسے سوا دو، سوا سو، ڈیڑھ بھی اسی طرح استعمال ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس عدد یا مقدار کا ایک اور آدھا گن۔ جیسے ڈیڑھ سیر، ڈیڑھ گز، ڈیڑھ سو۔ الحاقی کے معنے ہیں، دو اور آدھا یعنی جب کسی عدد یا اسم کے ساتھ آتا ہے تو اس عدد یا مقدار کا دو اور آدھا ظاہر کرتا ہے۔ جیسے اڑھائی سیر، اڑھائی سو۔ ساڑھے کبھی تنہا استعمال نہیں ہوتا۔ جب یہ کسی عدد یا اسم کے ساتھ آتا ہے تو وہ عدد یا مقدار اور ایک نصف زیادہ بتاتا ہے۔ جیسے ساڑھے چار سیر، اڑھائی سیر۔ یہ ایک اور دو کے عدد کے ساتھ نہیں آتا۔ اسکے مرتع پر ڈیڑھ اور اڑھائی کے لفظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ "پونے" کے معنے ہیں ایک چوتھائی کم جیسے پونے چار بجے ایک چوتھائی کم چار۔ پونے جب تنہا بغیر دوسرے عدد کے آتا ہے تو وہ پونے کی جگہ سمجھا جاتا ہے۔ جیسے پون روٹی، پون گز، پون سو۔

صفت مقداری

اعداد جس طرح گنتی کے لیے بطور صفت کے استعمال ہوتے ہیں، اس طرح وہ مقدار یعنے وزن یا ناپ کے لیے بھی استعمال کیے جاتے ہیں جیسے چار سیر گیہوں چار گز کپڑا۔

جس اور اتنا بھی شمار اور مقدار کے لیے استعمال ہوتے ہیں لیکن اعداد کی طرح وہ کسی معین شمار یا مقدار کو نہیں بتاتے جیسے کتنے آدمی بیٹھے ہیں (شمار) پانی کتنا چڑھا ہے (مقدار)۔ جتنا کھانا اتنا کھانا (مقدار)۔ جتنا پانی اتنا پیو (مقدار)

اتنے آدمی یہاں نہیں سما سکتے (شمار)

علاوہ اتنا، جتنا، کتنا کے، یہ اور وہ بھی کبھی کبھی مقداری صفت کے معنوں میں آتے ہیں۔ جیسے یہ ڈھیر کتابوں کا پڑا ہے۔ برسات کا وہ زور ہے کہ خدا کی پناہ۔

صفت ضمیری

وہ ضمیریں جو صفت کا کام دیتی ہیں، وہ یہ ہیں۔

وہ، یہ، کون، جو، کیا۔

مثالیں:۔ وہ عورت آئی تھی۔ یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ کون شخص ایسا کہتا ہے۔ جو کام تم سے نہیں ہو سکتا اسے تم کیوں لگاتے ہو؟ کیا چیز گر پڑی؟۔

یہ الفاظ جب تنہا آتے ہیں تو ضمیر ہیں اور جب کسی اسم کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں تو صفات ہیں۔

صفت کی تذکیر و تانیث اور جمع

اردو میں صرف انہیں صفات میں تذکیر و تانیث یا واحد جمع کا امتیاز ہوتا ہے جن کے واحد کے آخر میں الف یا ہ (جو الف کی آواز دیتی ہے) ہوتی ہے۔

اسماء کی طرح اردو صفات کے آخر کا الف مذکر کی علامت ہے اور یائے معروف تانیث کی۔ جمع کی حالت میں واحد کا آخر الف یا سے بدل جاتا ہے۔ مؤنث میں واحد اور جمع کی صورت یکساں رہتی ہے۔

	واحد	جمع
مذکر	اچھا مرد	اچھے مرد
مؤنث	اچھی عورت	اچھی عورت

وہ فارسی اور عربی لفظ جو کثرت استعمال سے اردو میں گھل مل گئے ہیں اس قاعدے کے تحت میں آجاتے ہیں۔

جیسے سادہ سے سادی، تازہ سے تازی، دیوانہ سے دیوانی، جدا سے جدی۔

لیکن عموماً سے علمی صحیح نہیں سمجھا جاتا۔

جن صفات کے آخر میں الف، ہ یا ے معروف نہیں ہوتی انکی صورت واحد اور جمع، مذکر و تانیث میں ایک ہی رہتی ہے انکی قسم کی تبدیلی واضح نہیں ہوتی۔

	واحد	جمع
مذکر	گرم کھانا	گرم کھانے
مونث	گرم روٹی	گرم روٹیاں

صفات عددی (ترتیب) میں مذکر کا (آں) مونث میں ی، معروف (ا) کا سے بدل جاتا ہے لیکن جب مذکر کے بعد حرف ربط آتا ہے تو الف (ا) کا بدل جاتا ہے لیکن مونث میں حرف ربط کے بعد بھی وہی حالت رہتی ہے۔

مثالیں

مونث	پانچویں	(یا سے معروف) عورت
	پانچویں	(یا سے معروف) عورت سے
مذکر	پانچواں مرد	
	پانچویں (یا سے مجہول) مرد نے	

اردو میں اکثر صفاتی لفظ ایسے ہیں جو تنہا بطور اسم عام کے استعمال ہوتے ہیں اور انکی جمع بھی اسماء کی طرح آتی ہے۔ اچھا آدمی (صفت)۔ جا بیٹھ اچھوں کو جتنا چاہیے (اسم)۔ یہ بنگالی لڑکا بہت ذہین ہے (صفت) بنگالی بہت ذہین ہوتے ہیں (اسم)

صفات کی تصغیر بعض اوقات صفات کی تصغیر بھی آتی ہے۔ جیسے لمبے سے لمبو، موٹے سے مٹلا، چھوٹے سے چھٹکا۔

۳۔ ضمیر

وہ الفاظ جو بجائے اسم کے استعمال کیے جاتے ہیں ضمیر کہلاتے ہیں جیسے وہ نہیں آیا۔ یہ آج نہیں جاؤں گا۔ اس میں (وہ) (یہ) ضمیریں ہیں۔ ضمیر سے فائدہ یہ ہے کہ بار بار انہیں اسماء کو جو گزر چکے ہیں دہرانا نہیں پڑتا اور زبان میں الفاظ کے دہرانے سے جو بدمذاقی پیدا ہو جاتی ہے وہ نہیں ہونے پاتی۔

ضمیر کی قسمیں

(۱) شخصی (۲) موصولہ (۳) استفہامیہ (۴) اشارہ (۵) تنکیر

(۱) ضمیر شخصی وہ ہے جو اشخاص کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں۔

ایک وہ جو بات کرتا ہے اُسے متکلم کہتے ہیں۔

دوسرا وہ جس سے بات کی جاتی ہے اُسے مخاطب کہتے ہیں

تیسرا وہ جس کی نسبت ذکر کیا جاتا ہے اُسے غائب کہتے ہیں

ضمائر کی حالتیں وہی ہوتی ہیں جو اسم کی ہیں (سوائے حالت خبری کے) ہر ایک کی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے۔

ضمائر متکلم

	واحد	جمع
فاعل حالت	میں	ہم
مفعول حالت	مجھے، مجھ کو	ہمیں، ہم کو
اضافی حالت	میرا	ہمارا

ضمائر مخاطب

	واحد	جمع
فاعلی حالت	تو	تم
مفعولی حالت	تجھے یا تجھ کو	تمہیں یا تم کو
اضافی حالت	تیرا	تمہارا

ضمائر غائب

	واحد	جمع
فاعلی حالت	وہ	وہ
مفعولی حالت	اُسے یا اس کو	ان کو یا انہیں
اضافی حالت	اُس کا	اُن کا

اُردو ضمائر میں تذکیر و تانیث کا کوئی فرق نہیں ہوتا۔

ضمائر غائب میں واحد اور جمع دونوں کے لیے (وہ) آتا ہے اور اس میں اشخاص اور اشیا کا امتیاز نہیں ہوتا۔ پرانی اُردو میں واحد کے لیے (وہ) اور جمع کے لیے (وے) استعمال ہوتا تھا۔

(تو) بے تکلفی اور محبت کے لیے آتا ہے جیسے ماں بچے سے، گہرے دوست سے باتیں کرتا ہے۔ یا مخاطب کی کم حیثیتی کو ظاہر کرتا ہے جیسے آقا نوکر سے باتیں کرتے وقت استعمال کرتا ہے۔ بعض اوقات بہت بے تکلف دوست بھی تو کہہ کر باتیں کرتے ہیں۔

نظم میں اکثر مخاطب کے لیے (تو) لکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے لوگوں اور بادشاہوں کو بھی اسی طرح خطاب کیا جاتا ہے۔

جد شاہان سلف سے تجھے پوری ہے تفضیل
جیسے قرآں میں تورب مذبذبین الیٰ (ذوق)

دعا پر کروں۔ ختم اس پہ قصیدہ
کہاں تک کہیں تو نہیں ہے چناں ہے (میر)

(تم) بھی بے تکلفی اور محبت کے لیے آتا ہے۔ دوسرے مواقع پر واحد مخاطب کے لیے (تم) ہی استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ سوائے بے تکلفی کے موقع کے تم بھی اکثر بڑوں اور چھوٹے لوگوں سے خطاب کرتے وقت بولا جاتا ہے۔ مذکر اکثر اوقات واحد مخاطب اور جمع مخاطب دونوں کے لیے (آپ) کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

آپ تعظیماً واحد غائب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے آپ ہم لوگوں کے ساتھ طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے تھے مگر آپ کو کبھی ملال بھی نہ ہوتا۔ یا جب کوئی شخص کسی دوسرے سے کہتا ہے تو تعظیماً کہتا ہے کہ آپ فلاں شخص کہہ رہے تھے۔ آپ شاعرانہ بھی یہ لفظ وغیرہ۔

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی تیری عادت ہی سہی
ایک ہم ہیں کہ وفا بھی اس سے نباہے جائے
ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے

کبھی متکلم جمعیت کے خیال سے (ہم) استعمال کرتا ہے جیسے ایک روز ہمیں یہ سب کچھ چھوڑنا پڑے گا۔ تری کسی بھی حالت میں اس کا نہیں۔

کبھی متکلم اپنے لیے (ہم) کا استعمال کرتا ہے جیسے یہ چند روزہ جمعیت خاطر ہے سو پھر ہم کہاں تم کہاں۔ ہماری قسمت ہی بری ہے جو کام کیا بگڑ گیا۔ وہ بات

چلیں کسی کو کیوں ستائے گئے آخر ہمیں کو رونا پڑا۔

بعض اوقات اس کا استعمال مبہم ہوتا ہے اور صحیح طور سے نہیں معلوم ہوتا کہ متکلم کے ساتھ اور کون شریک ہیں۔ مثلاً کوئی کہے: "میرا ساتھ کون دے گا" اس کے جواب میں دوسرا شخص کہے "ہم سب تمہارا ساتھ دیں گے" اگرچہ کہنے والا واحد ہے مگر دوسروں کو بھی شریک کر لیتا ہے۔

بعض اوقات اس کے ساتھ دوسرے الفاظ کا اضافہ کیا جاتا ہے جیسے ہم رعایائے سرکار۔ ہم شرکائے مجلس۔

کبھی کبھی بعض اکساری کی غرض سے جب کہ اپنی شخصیت کا اظہار سننے والوں کے سامنے مناسب خیال نہیں کیا جاتا، تو متکلم اپنی رائے یا فعل کو دوسروں کی آڑ میں چھپا لیتا ہے۔ جیسے ہماری رائے میں تعلیم کی اصلاح میں نہایت سرگرمی سے کوشش کرنی چاہیے

اس کا استعمال زیادہ تر اخباروں کے اڈیٹر کرتے ہیں جو گویا اپنی کمپنی کے نائب ہیں

بعض اوقات یہ اور یاروں کا لفظ واحد متکلم کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے یار لوگ غلط بیانی کرتے ہیں۔ ہتھ ہی کہیں آ گیں مرجائیں۔ یاروں سے بچ کر کہاں جائے گا۔ ہمارے کا لفظ واحد متکلم اور جمع متکلم دونوں کے لئے آتا ہے۔ مگر عموماً تکلف کے موقع پر استعمال ہوتا ہے۔ یہ استعمال کس قدر عام یاد سمجھا جاتا ہے۔

کیا تم نظر تم کو ہے یاروں سے تو کہیے
گر سنے نہیں کہتے اشاروں سے تو کہیے (ذوق)

جب کسی جملے میں کوئی اسم یا ضمیر فاعل حالت میں ہو اور وہی مضمون بھی واقع ہو تو بجائے ضمیر مفعول کے آپ کو، اپنے تئیں، یا اپنے آپ کو استعمال کرتے ہیں جیسے احمد آپ کو دور کھینچتا ہے یا اپنے تئیں بڑا آدمی سمجھتا ہے یا اپنے کو

فاعل بنا لیتا ہے۔

اسی طرح جب کوئی اسم یا ضمیر کسی فقرے میں فاعل ہے اور اس کی اضافی حالت والی منظور ہو تو بجائے اصل ضمیر اضافی کے اپنا، اپنی، یا اپنے، حسب موقع استعمال ہوں گے۔ جیسے احمد اپنی حرکت سے باز نہیں آتا۔ تم اپنا کام کرو۔ مجھے اپنے کام سے فرصت نہیں۔ وہ تو چلے گئے مگر اپنا کام مجھ پر چھوڑ گئے۔ یہ اسی حالت میں ہے جب کہ فاعل ایک ہو۔ اگر فاعل الگ الگ ہیں تو اپنے اسی ضمیر نہیں آئے گی۔ بلکہ جس ضمیر کا موقع ہوگا اسی کی اضافی حالت لکھی جائے گی۔ جیسے وہ تو چلے گئے مگر ان کا کام مجھ پر آ پڑا۔ یہاں چلے گئے کا فاعل وہ ہے اور آ پڑا کا فاعل ان کا کام ہے جیسے تم تو چلے گئے مگر خدا جانے کام انہوں نے مجھے سونپ دیا۔ یہاں چلے گئے کا فاعل تم ہے اور سونپ دیا کا فاعل انہوں نے۔

اپنا، اپنی اور اپنے مضاف کے لحاظ سے حسب ترتیب واحد مذکر و مؤنث جمع مؤنث اور جمع مذکر کے لیے آتے ہیں۔ اگر یہ تینوں ربط میں سے کوئی مضاف کے بعد آجاتا ہے تو اپنا، بدل کر اپنے ہو جاتا ہے۔ جیسے وہ اپنے کام سے فاعل ہے اور اپنے ہوش میں نہیں۔

دراصل ایسے فقروں میں اصل ضمیریں اپنا، اپنے، اپنی سے بدل گئی ہیں۔ مثلاً مجھے اپنے کاموں سے فرصت نہیں۔ اصل میں تھا۔ مجھے میرے کاموں سے فرصت نہیں

آپ اور اپنا دوسرے ضمائر کے ساتھ تاکید کے لیے بھی آتے ہیں۔ مثلاً حالت فاعلی میں، میں آپ گیا تھا۔ وہ آپ آئے تھے۔ ہم آپ آئے تھے۔ تم آپ گئے تھے۔ حالت اضافی میں جیسے میرا اپنا کام تھا۔ ان کا اپنا باغ ہے۔

میرا اپنا جدا معاملہ ہے اور کے بیچ میں سے کیا کام (غالب)

فاعل کا مفعول خود بھی (جس کے معنی آپ یا اپنے کے ہیں) انہیں معنوں میں آتا ہے جیسے اُنھوں نے خود فرمایا۔ خود بعض حالتوں میں زیادہ فصیح ہے اور خصوصاً حالتِ مفعولی میں۔ جیسے "جن نے خود اُسے دیا" یہاں خود کے استعمال سے ابہام پایا جاتا ہے کہ خود کا تعلق (جس) سے ہے یا (اُسے) سے۔ لہٰذا اس کے رفع کے لیے ایسے موقعوں پر استعمال کی یہ صورت ہونی چاہیے کہ جس لفظ سے اس کا تعلق ہو اس کے آگے استعمال کیا جائے۔ مثلاً اگر یہاں خود کا تعلق (جس) سے ظاہر کرنا مقصود ہو تو یوں کہا جائے "جس نے اُسے خود دیا" مگر حالتِ اضافی میں خود کا استعمال فصیح نہیں ہے ایسے موقعوں پر (اپنا) زیادہ فصیح ہے۔ مثلاً "خود کا کام خود کرنا چاہیے" کی بجائے "اپنا کام آپ کرنا چاہیے" زیادہ فصیح ہوگا۔

۲۔ ضمیر موصولہ | وہ ہے جو کسی اسم کے بجائے آتی ہے مگر اس کے ساتھ ہمیشہ ایک جملہ ہوتا ہے جس میں اس کے اسم کا بیان ہوتا ہے جیسے "کتاب جو کل بھیجی گئی تھی مل گئی۔ آپ کے دوست جو پیچھے رہ گئے تھے پہنچ گئے"۔ ان جملوں میں (جو) کتاب کے لیے اور دوسرے میں (جو) دوست کے لیے ہے اور ساتھ کے جملوں میں دونوں اسموں کا بیان ہے۔

ضمیر موصولہ صرف (جو) ہے، جس کی مختلف حالتیں یہ ہیں۔

	واحد	جمع
فاعلی حالت	جس نے	جنھوں نے
مفعولی حالت	جس کو یا جسے	جن کو یا جنھیں
اضافی حالت	(مذکر) جس کا	جن کا
	(مونث) جس کی	جن کی

جن کو، جنھیں، جنھوں نے، جن کا، اگرچہ جمع ہیں مگر قطعیاً واحد کے لیے

آتے ہیں۔ جس اسم کے لیے یہ ضمیر آتی ہے اسے مرجع کہتے ہیں۔

ضمیر موصولہ ہمیشہ ایک جملے کے ساتھ آتی ہے اور دوسرا جملہ اس کے جواب میں ہوتا ہے مثلاً وہ کتاب جو کل خریدی تھی "دوسرا" وہ کتاب جاتی رہی" اس میں "جو" ضمیر موصولہ ہے۔

(جو) حالت فاعل میں واحد اور جمع دونوں میں یکساں استعمال ہوتا ہے مگر جب فاعل کے ساتھ لگے ہو تو واحد میں (جو) بدل کر (جس) اور جمع میں (جنھوں) ہو جاتا ہے۔ مثلاً جس نے ایسا کیا برا کیا۔ وہ لوگ جنھوں نے قصور کیا تھا معاف کر دیے گئے۔

کبھی (جو) کے جواب میں فقرہ ثانی میں (سو) آتا ہے جیسے جو جو سو چوپڑے کا سو گورے گا۔

(جو) بھی ہندی ضمیر موصولہ ہے مگر اردو میں (سا) کے ساتھ مل کر آتا ہے۔ جیسے ان میں سے جو سچا ہوئے گا۔ جمع میں (جو) سے اور واحد و جمع مونث میں (جو) استعمال ہوتا ہے۔

کبھی (کر) بطور ضمیر موصولہ کے استعمال ہوتا ہے جیسے

میں کہ اشوب جہاں سے تھا تہِ دیدہ بہت
اس کو بھی خستہ دلی غم دیدہ بہت (آناد)

جو، جس اور جن پر "کر" بھی آتے ہیں، واحد یا جمع کی حالت میں ان کا اطلاق فرداً فرداً ہوتا ہے۔ مثلاً جو جو لیتے ہوئے اور۔ جن جن کے پاس گیا انھوں نے یہی جواب دیا۔

ضمائر استفہامیہ

جو سوال پوچھنے کے لیے آتی ہیں وہ ہیں۔ کون اور کیا۔ (کون) جاندار کے لیے

آتا ہے' (کیا) بے جان کے لیے۔
جیسے کون کہتا ہے' کیا چاہیے۔
(کون) کی مختلف حالتیں یہ ہیں۔

	واحد	جمع
فاعلی	کون اور (اس کے ساتھ)	کون (اس کے ساتھ)
مفعولی حالت	کسے' کس کو' کس سے' کس کو' کاکھیں' کن سے	
اضافی حالت	کس کا	کن کا

جیسے: کون کہتا ہے' کس نے کہا' کس کے پاس ہے' کس کو دیا؟ کن اب صورت فاعل میں ضمیر کے بجائے نہیں آتا ہے بلکہ اسم کے ساتھ آتا ہے جیسے کن لوگوں نے کہا؟۔

کس کس' کن کن اور کیا کیا بھی استعمال ہوتے ہیں' جیسے کس کس کو روؤں' کن کن سے کہوں' کیا کیا کروں؟۔

کون کونسا بھی ہوتے ہیں۔ جیسے وہاں کون کون تھے۔

ان فقروں میں جس کسی اشخاص یا اشیا پر فرداً فرداً حاصل ہوتا ہے اور جمع کا ہوتا پتا نہیں ہے۔

کونسا (کونسے) بھی بجائے ضمیر مستعمل ہے۔ کون اور کونسا میں فرق اتنا ہے کہ (کون سے) میں ذرا خصوصیت پائی جاتی ہے' اور یہ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب کئی چیزوں میں سے ایک کا انتخاب مقصود ہو' مثلاً ان میں سے کونسی چاہیے؟ یہاں (کون نہیں کہیں گے۔ (سا) کے ساتھ (کون) اشخاص اور اشیا دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

ضمیر اشارہ | جو لفظ اشارہ کے استعمال ہوتی ہے۔ 'وہ' بعید کے لیے اور 'یہ'

قریب کے لیے۔ ضمائر اشارہ اور ضمائر غائب ملتی جلتی ہیں لیکن جب بطور اشارہ استعمال ہوتی ہے تو انہیں ضمائر اشارہ کہتے ہیں۔ جیسے وہ رہا یہ۔ حروف ربط کے آنے سے وہ اس سے اور یہ اس سے بدل جاتا ہے اور جمع میں انہ اور ان ہو جاتا ہے۔

وہیں اور نظر تھے کبھی جن کی جبیں پر
اب وہ مرا کہنا ہے اس یا اور کسی کا

ضمائر تنکیر | وہ ہیں جو غیر معین اشخاص یا اشیا کے لیے آئیں۔
ضمائر تنکیر دو ہیں' 'کوئی' اور 'کچھ'

'کوئی' اشخاص کے لیے اور کچھ اشیا کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے کوئی ہے! کوئی نہیں بولتا' کچھ ہے یا نہیں؟ کچھ نہ کچھ' کچھ تو ہے' اس کی بڑی ذمہ داری ہے۔

حروف ربط کے آنے سے 'کوئی' 'کسی' اور 'کچھ' 'کسی' ہو جاتا ہے۔ جیسے کسی کے پاس نہیں۔ کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری۔

جب یہ ضمائر جمل کے ساتھ کوئی کوئی اور کچھ کچھ استعمال ہوتی ہیں تو اس میں خاص زور ہوتا ہے مگر بعض حالت میں آتے ہیں جیسے اب بھی کوئی کوئی نظر پڑتا ہے۔ اگر ذرا سا ہے مگر کسی کسی کے پاس اب بھی مل جاتا ہے۔ ابھی کچھ درد باقی ہے۔ نفی کے ساتھ بھی یہ کہیں آتا ہے۔ جیسے ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا۔ کوئی نہ کوئی مل رہے گا۔

عربی کے الفاظ 'بعض' اور 'بعضے' بھی ضمیر تنکیر کا کام دیتے ہیں بعض کا خیال ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں' بعض 'کہ' کے ساتھ بھی آتا ہے جیسے بعض بعض ایسے بھی ہیں۔ اسی طرح 'فلاں' 'فلی' اور 'چند' بھی بطور تنکیر کے استعمال ہوتے ہیں۔

ضمائر تکبیری دوسرے ضمائر کے ساتھ مل کر مرکب بھی آتی ہیں جیسے جو کوئی، جو کچھ، جس کسی، ہر کوئی، جیسے، جس کسی سے کہا ہوں وہ آدمی بھی کوتاہی کرتا ہے۔ جو کچھ کہو بجا ہے۔ ہر کوئی یہی کہتا ہے۔ جو کچھ ہے غنیمت ہے۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔

صفات ضمیری

یہ وہ صفات ہیں جن سے کم و بیش ضمیر کی خاصیت بھی پائی جاتی ہے۔ یہ الفاظ جو اس میں داخل ہیں یا صفات ہوتے ہیں یا ضمیر اسم کے ساتھ آنے سے صفات ہو جاتے ہیں اور ضمیر اسم کے ضمیر۔

ان میں سے ایک تو وہ ہیں جو ضمیری مادوں کے آگے "نا" "تا" اور "سا" بڑھا کر بنا لیے گئے ہیں اور باقی دوسرے الفاظ ہیں۔ ضمیری خاصیت ہندی میں پائی ہے

(۱) اِ آ (اَنا) (۲) وا آ۔ اور ج (۳) جا ج۔ کی جگہ (۴) ما ج۔ ت (تا) کا آ۔ کی جگہ ف۔

ان صفات کی دو قسمیں ہیں ایک صفات ذاتی دوسری صفات مقداری۔

صفات مقداری	صفات ذاتی
اِتنا (اِتَا)	ایسا
اُتنا (اُتَا)	ویسا
جتنا (جِتَا)	جیسا
کتنا (کِتَا)	کیسا

ان کے علاوہ دوسرے الفاظ یہ ہیں

ایک، دوسرا، دونوں، اور، سب، بعض، بعضے، اکثر، سب، ہر، کل، کلاں، کلاں، کئی، کتنے، چند، کل۔

ایک، دراصل صفت عددی ہے۔ جب ضمیر ہوتا ہے تو اس کے جواب میں دوسرا آتا ہے۔ جیسے ایک یہ کہتا ہے، دوسرا وہ کہتا ہے۔ کبھی جواب میں دوسرے کے بجائے ایک ہی استعمال ہوتا ہے جیسے ایک آتا ہے ایک جاتا ہے۔ کبھی ایک اور دوسرا مل کر آتے ہیں اور تعلق باہمی ظاہر کرتے ہیں جیسے ایک دوسرے سے محبت کرو۔

ہر کبھی اکیلا اور بطور اسم کے استعمال نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ (ایک) یا (کوئی) کے ساتھ مل کر آتا ہے۔ ہر ایک، ہر کوئی۔ ایسی حالت میں اسے ضمیر کہہ سکتے ہیں۔

اور۔ جیسے، بچے اور سے کیا مطلب۔ اس کی جمع بھی آتی ہے۔ جیسے، بچے اور دل سے کیا عرض۔

"بہت" کی ایک اور صورت "بیتیرا" ہے جس سے کثرت ظاہر ہوتی ہے اور اکثر تمیز فعل واقع ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سا بھی مستعمل ہے بہت سے، بطور ضمیر کے استعمال ہوتے ہیں جیسے بہتیرے یہ باتیں کہتے ہیں، بہت سے یہ کہتے ہیں۔

"کئی" اور "کتنے" بطور ضمیر کے بھی آتے ہیں۔ "کئی" کے ساتھ "ایک" بھی مل کر آتا ہے۔ جیسے کئی ایک اور اسی طرح کتنے ایک بھی مستعمل ہے۔ مثلاً کتنے چاہیں؟ کئی ایسے ہیں جو اسے نہیں مانتے۔ کئی ایک کی یہ رائے ہے بعض کی یہ رائے ہے۔ سب چلے گئے وغیرہ۔

ضمائر کے ماخذ

اردو کی تمام ضمیریں ہندی میں سنسکرت اور پراکرت سے ماخوذ ہیں۔ ان کی اصل کا پتا لگانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا لہٰذا مختصر طور پر یہاں بحث کی جاتی ہے

میں سنسکرت میں ضمیر واحد متکلم "دیا" پراکرت میں "مے" اردو الفاظ ضمیری

یا ہو میں کے ساتھ لگے استعمال ہوتا ہے وہ زائد ہے چنانچہ راجستھانی، قدیم ہندی اور دیگر پرانی ہندی ادب کتابوں میں بغیر لگے کے استعمال ہوتا ہے۔ پنجابی میں بھی ہے "مرزی میں" کی" آتا ہے۔

تو سنسکرت کی واحد صورت فاعلی "تم" سے ہے۔ ہندی کی بعض زبانوں (مثلاً مارواڑی اور قدیم میواڑی نیز پچھمی اودھی میں تو اس کا استعمال ہوتا ہے)۔

بھوا اور بھو پراکرت کی مذکر حالت بھاؤ سے پیدا ہوئے ہیں جو بجائے خود مذکر ہے۔ بھاوا تو عوام کی پراکرت میں استعمال ہوتا تھا۔ پراکرت کے بھاؤ اور بھاؤ کے آگے (ہی) کے اضافے کرنے سے بھاؤ ہی بھاوا اس سے بگڑ کے بھوا بنے۔

میرا "تیرا اسی طرح بنے کہ قدیم اضافی صورت تما کے آگے حرف اضافت کیر یا کیرو بجائے کیرا کر (سنسکرت کرتا) بڑھا دیا گیا۔ بعض قواعد نویسوں نے عوام کی پراکرت کی صورت اضافی بتا کر یہ بتا دی ہے جس سے میرا بنا ہے جبکہ پچھمی راجستھانی اور میواڑی میں صرف ما کو مستعمل ہے۔ پراکرت کا کاف اڑ گیا، اس کے بعد میرا یا میرا اور تیرا بن گیا۔

"ہم" پراکرت کی جمع متکلم حالت فاعلی سے (اسے) سے بنا ہے۔

یہ صورت مارواڑی، گجراتی میں اب تک قائم ہے۔ پنجابی "آدمی" گجراتی "مانسے" مرہٹی "امی" مضمولی حالت (ہمیں) بھی اسی سے بنی ہے کیوں کہ اس کی پراکرت صورت امہ بھی ہے اور اسی طرح تمہیں تمہاں سے بن گیا۔ ہمارا، تمہارا کی اصل یہ ہے کہ ادا اور تما کے آگے پراکرت علامت "کرا کا" بڑھا دی گئی ہے۔ اس سے اسما کرا اور تما کرا کو بنا۔ اس سے برج کا بلدار تمارو ہوا اور اس سے ہندی ہمارا، تمہارا۔

"آپ" سنسکرت کے اتما سے نکلا ہے۔ ہندی کی مختلف زبانوں میں یہ لفظ ذرا

فرق سے موجود ہے۔ مثلاً "اپ" "اپو" "اپا" ہے لیکن یہ سب صورتیں اشتقاق سے نکلی ہیں اور ان سب میں وہ موجود ہے لیکن ایک دوسری صورت "آد" آپ سے بالکل الگ ہے۔ یہ غالباً پراکرت "اد" سے نکلی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ جس طرح اشارہ قریب کی صورتیں اہ اور اما سے نکلی ہیں اسی طرح اتما سے "آد" آخر اور ماہ سے نکلا ہوگا۔ پرانی دکنی اردو میں یہ کسے لیے "ملے" بھی استعمال ہوا ہے۔

بھوا سوا اور کون سنسکرت کے ضمائر یہ، سو، او، کہ سے نکلے ہیں، کون کے متعلق بعض کا یہ خیال ہے کہ سنسکرت کی مفعولی حالت کم سے بنا ہے۔ اسی طرح "جون" پر قیاس کرنا چاہیے۔

سنسکرت کی واحد اضافی حالت یسیا (یعنی) پراکرت جسا (جیم کا زبر) یا جاسا (جیم کا زیر) جاؤں۔ آخری حرف علت گر گیا اور "جس" کی صورت قائم ہو گئی۔

سنسکرت "کاکوچی" پراکرت میں "کوچی" ہوا اور اسی سے ہندی کونسا۔

(کا) یا (کی) تمام ضمائر نکیرہ اور ظمائر استفہامیہ کا اصل مادہ ہے۔ "کسی" بھی اسی مادے سے نکلا ہے۔ سنسکرت میں اضافی حالت کسیا تھی اس سے کسی بنا۔

کس "ہندی (کاہ) یا کہا، اصل کی اصل بھی کی معلوم ہوتی ہے۔

سنسکرت کے کیمت سے کیکے اور اس سے کیو بنا۔

کب (جس زور) کی اصل سنسکرت کا لفظ آکس ہے۔

آپ سے اور اپنا۔ پراکرت کی صورت آفنا سے ماخوذ ہے۔

اپس کی نسبت یہ خیال ہے کہ وہ پراکرت کی صورت اضافی آپسا سے بنا ہے۔

آپ (تعظیمی) بھی آکس سے ماخوذ ہے جو بعض ہندی بولیوں میں آپ اور آپا اور وہاں سے آپ بنا۔

فعل

فعل وہ ہے کہ جس سے کسی شے کا ہونا یا کرنا ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے خاتمہ شروع ہوا۔ اس نے خط لکھا۔ بلی چلی۔

فعل کی بلحاظ معنوں کے تین قسمیں ہیں۔

۱۔ لازم

۲۔ متعدی

۳۔ ناقص

فعل لازم وہ ہے جس میں کسی کام کا کرنا پایا جائے۔ مگر اس کا اثر صرف کام کرنے والے تک رہے اور بس۔ جیسے احمد آیا۔ جیسا بولا۔

فعل متعدی وہ ہے جس کا اثر فاعل سے گزر کر مفعول تک پہنچے (مفعول بیٹھا جس پر فعل واقع ہو) جیسے احمد نے خط لکھا۔ یہاں لکھا فعل ہے، احمد اس کا فاعل اور خط (جس پر لکھنے کا فعل ہوا ہے) مفعول ہے۔

فعل ناقص وہ ہے جو کسی پر اثر نہ ڈالے بلکہ کسی اثر کو ظاہر کرے جیسے احمد بیمار ہے۔ اس جملے میں فعل کا کرنا نہیں بلکہ ہونا پایا جاتا ہے۔ احمد جو یہاں فاعل ہے کام کرنے والا نہیں بلکہ فعل کا سہنے والا ہے اور "بیمار" اس کی حالت کی خبر دیتا ہے۔

افعال ناقص اکثر یہ آتے ہیں۔ ہونا، رہنا، نکلنا، پڑنا، لگنا، نظر آنا، دکھائی دینا۔ ان میں ہونا تو بہت فعل ناقص کے طور پر استعمال ہوتا ہے لیکن باقی افعال بھی لازم ہوتے ہیں اور کبھی ناقص علاوہ ان کے "ہو جانا" بن جانا" معلوم ہوتا

بھی افعال ناقص کا کام دیتے ہیں جیسے وہ سنگار معلوم ہوتا ہے۔ اچھا ہو گیا۔

مثالیں

وہ چالاک ہے۔ احمد بے خبر تھا (ہونا فعل ناقص)

وہ چلی ہی گئی	(تھی) وہ خبر پڑا رہتا ہے		لازم
وہ بڑا بدتوف نکلا	ایضاً	وہ وہاں سے نکلا	ایضاً
وہ امیر بن گیا	ایضاً	میں نہ اکثر خوش گا	ایضاً
وہ بیمار نظر آتا ہے	ایضاً	تم کو کچھ نظر نہیں آتا	ایضاً
وہ ہشیار دکھائی دیتا ہے	ایضاً	وہ بھیج میں کہیں دکھائی تو دیا تھا	ایضاً
وہ جھوٹا نکلا ہے	ایضاً	اس کے اینٹ لگی	ایضاً
وہ بیمار پڑا ہے	ایضاً	میں وہ اس پڑا رہا	ایضاً

ان کے علاوہ چند افعال ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو خوبصورت تو لازم ہیں لیکن معناً ان کا میلان مجہول کی طرف ہوتا ہے۔ فعل کی یہ قسم سادہ اور ابتدائی قسم ہے جیسے "پٹنا، کھٹنا، رہنا، بکنا، گھٹنا، گھسنا" وغیرہ وغیرہ معناً دروازہ کھلا، مال بکا، احمد پٹا۔ اس میں کسی قدر مجہول کی شان پائی جاتی ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ یہ افعال درحقیقت نہ تو متعدی ہیں اور نہ لازم کیونکہ فاعل کا فعل ثابت نہیں۔

لوازم فعل

افعال میں علاوہ جنس و تعداد کے تین چیزیں اور بھی پائی جاتی ہیں۔

۱۔ طور ۲۔ صورت ۳۔ زمانہ

طور فعل۔ وہ حالت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کام خود فاعل سے صادر ہوا یا کام کا اثر کسی پر واقع ہوا۔ فعل کے طور دو ہیں۔

جب فاعل کے کام کا اثر کسی دوسری شے یا شخص پر واقع ہو تو اُسے مفعول کہتے ہیں۔ جیسے اللہ نے ذکر کو ملا۔ یہاں فاعل کے کام کا اثر ذکر پر واقع ہوا ہے مگر جب صرف وہ شے یا شخص معلوم ہو جس پر اثر واقع ہوا ہے اور فاعل معلوم نہ ہو تو اسے مجہول کہتے ہیں۔ جیسے اُسے خلق کیا گیا۔ یہاں بنانے والا یعنی فاعل نامعلوم ہے اس لیے اُسے مجہول کہتے ہیں۔ مجہول کے معنے نامعلوم کے ہیں۔

ہر فعل کی کوئی نہ کوئی صورت ہوتی ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فعل (کام) کس ڈھنگ سے ہوا۔

فعل کی پانچ صورتیں ہوتی ہیں:۔

۱۔ خبری	۲۔ شرطی	۳۔ احتمالی
۴۔ امری	۵۔ مصدری	

۱۔ خبری صورت وہ ہے جو کسی واقعے کی خبر دے یا کسی امر کے متعلق استفسار کرے جیسے عامر گیا۔ آپ جائیں گے؟

۲۔ شرطی صورت، فعل کی وہ صورت ہے جس میں شرط پائی جائے، خواہ حرف شرط ہو نہ ہو۔ جیسے وہ آتے تو میں بھی جاتا۔ اس میں بعض اوقات ترقی و تنزلی کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ جیسے وہ آتا تو خوب ہوتا۔ یہ ممکن ہے کہ وہ آ جاتا تو اچھا ہوتا۔

۳۔ احتمالی صورت جس میں احتمال پایا جائے۔ جیسے۔ اسی نے کہا ہوگا۔ ممکن ہے کہ وہ نہ گیا ہو۔ شاید وہ آ جائے۔

۴۔ امری صورت جس میں حکم یا التجا پائی جائے جیسے جاؤ۔ نشست، بیٹھ۔

۵۔ مصدری صورت، جس میں کام کا ہونا یا تعین وقت نہ ہو۔ اس کے آخر میں ہمیشہ "نا" ہوتا ہے جیسے ہونا، کرنا، کھانا۔ حقیقت میں یہ ایک اسم کا نام ہے جو تجریدی طور پر فعل کے کام یا حالت کو بتاتا ہے اور زمانہ اور قید سے بری ہوتا ہے

زمانہ۔ فعل کے لیے زمانے کا ہونا ضروری ہے۔ زمانے تین ہیں۔ گزشتہ جسے ماضی کہتے ہیں۔ موجودہ جسے حال کہتے ہیں اور آئندہ جسے کا نام مستقبل ہے۔ ہر فعل یا کام کا تعلق بھلا زمانے کے ان تینوں میں سے کسی کے ساتھ ضرور ہوگا۔ مادہ۔ مصدر کی علامت "نا" اگر اڑا دیتے ہے فعل کا مادہ رہ جاتا ہے اس میں سے اکثر یا تو صرف الف ہوتے ہیں مثلاً "کھا" کا مادہ "کھ" ہے اور "چلنا" کا "چل"۔ بندی فعل کا مادہ صورت میں امر مخاطب کے مشابہ ہوتا ہے

حالیہ ناتمام و تمام۔ فعل کے مادے سے حالیہ ناتمام و تمام بنتے ہیں۔

۱۔ حالیہ ناتمام۔ مادے کے آخر میں "ا" بڑھانے سے بنتا ہے۔

۲۔ حالیہ تمام مادے کے آخر میں (ا) بڑھانے سے بنتا ہے۔

ذیل کی مثالوں سے پوری کیفیت معلوم ہوگی۔

مصدر	مادہ	حالیہ ناتمام	حالیہ تمام
لینا	لے	لیتا	لیا
اڑنا	اڑ	اڑتا	اڑا
کھانا	کھا	کھاتا	کھایا

لیکن جہاں مادے کے آخر میں ہی یا "و" ہوگا "وہاں (یا) بڑھانا پڑے گا۔ جیسے کھانے کا "پی سے پیا" کھونے کا "کھو سے کھویا"۔

یہ بھی جہاں رہے کہ جب آخر میں (ی) معروف ہے، تو حالیہ تمام کے اول اس کی صورت صرف زبر کی رہ جاتی ہے، جیسے پی سے پیا۔

مونث اور جمع کی صورت میں تبدیل عام قاعدے کے مطابق ہوتی ہے جیسے۔

مذکر واحد	مذکر جمع	مونث واحد	مونث جمع
گیا	گئے	گئی	گئیں
لڑا	لڑے	لڑی	لڑیں

سہ حرفی مادہ میں دوسرے حرف کی حرکت ساکن ہو جاتی ہے جیسے کل سے نکلا
جس سے جسلہ وغیرہ۔

اجزیے متصلہ ذیل صفحہ میں حاشیہ خلوص مادۂ افعال آتا ہے۔

ہونا سے ہوا۔ مرنا سے موا۔ کرنا سے کیا۔ دینا سے دیا۔ لینا سے لیا۔ جانا
سے گیا۔

تیسری صورت حاشیہ مفعولی کی ہے جو مادہ سے کہ آخر کے "یا" "کر" لگانے سے
بنتا ہے۔ جیسے مکان سے مکانی۔ کرنا سے کرنی۔ سن سے

سبب حاشیہ کے ساتھ ہوا آتا ہے اور صفت کے معنی دیتا ہے۔ جیسے کھو
ہوا۔ سڑا ہوا وغیرہ۔ بعض اوقات بغیر بھی صفت کا فائدہ دیتا ہے جیسے
کھو سکان۔ چلتا جرتا۔ روتی صورت۔

افعال کے مختلف صیغوں کے بنانے کا طریقہ

افعال کے مختلف صیغے تین طرح سے بنتے ہیں۔ اول مادہ سے۔ دوم حاشیہ تمام
اور مادی افعال کے ذریعے سے۔ سوم حاشیہ ناتمام اور مادی افعال کی مدد سے۔

ہر کام کی تین حیثیتیں ہوتی ہیں۔ (۱) کام ہو تم ہو چکا ہے۔ (۲) جو شروع ہو چکا ہے
اور ختم نہیں ہوا۔ (۳) جو ابھی شروع نہیں ہوا۔

افعال کے تمام صیغے ان تین شکلوں میں کہے جاتے ہیں۔ اب ہم زمانے کے لحاظ سے
مختلف افعال کے بنانے کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن اس سے قبل میں ہونا کی گردان کھ
دینا مناسب معلوم ہوتی ہے کیونکہ ماضی اور حال کے اکثر صیغے اسی فعل کی مدد سے
بنتے ہیں۔

ماضی

واحد	جمع
وہ تھا	وہ تھے

تو تھا	تم تھے
میں تھا	ہم تھے

حال

واحد	جمع
وہ ہے	وہ ہیں
تو ہے	تم ہو
میں ہوں	ہم ہیں

امر

واحد	جمع
تو ہو	تم ہو
ہو جیے۔ ہو جیے گا	
ہوں	

مستقبل

واحد	جمع
وہ ہوگا	وہ ہوں گے
تو ہوگا	تم ہو گے
میں ہوں گا	ہم ہوں گے

(دراصل ہونا کا تعلق ان صیغوں سے کچھ نہیں۔ کیونکہ ہونا سنسکرت کے
فعل بھو سے نکلا ہے۔ حالانکہ حال کے صیغے سنسکرت کے ماضی سے اس ہے
اور ماضی کے صیغے استا سے لگے ہیں۔ لیکن اب ہندی والے گو دیں یہ تمام
صیغے ہونا ہی کے سمجھتے ہیں۔ کہے جاتے ہیں)۔

ماضی

افعال ماضی کے اقسام یہ ہیں۔ ماضی مطلق، ماضی تمام، ماضی قریب، تمنائی، احتمالی۔

ماضی مطلق وہ ہے جس سے محض ایک فعل کے گذشتہ زمانے میں واقع ہونے کی خبر ملے اور بس۔ جیسے احمد گیا، سو پہنچا ہوگا۔

ماضی مطلق اس طرح بنتی ہے کہ مادۂ فعل کے آخر "ا" بڑھایا جاتا ہے جیسے جا سے جا۔ لیکن جس مادۂ فعل کے آخر میں "الف" یا "واؤ" ہو تو بجائے "الف" کے "یا" بڑھا دیتے ہیں۔ مثلاً رو سے رویا، کھا سے کھایا۔ سے اور دے میں "الف" کے اضافے سے "ل" اور "د" کا تلفظ بدل سے کیا جاتا ہے۔ جیسے لیا، دیا۔

جانے گیا کرے گیا اور مرے سوا سب کے تاعدے ہیں۔ لیکن سوا سب نہیں ہوتے ہیں کے بجائے مرا آتا ہے۔ سوا صرف مرکبات میں صفت کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے لوہا سوا، موتی سچی۔

ماضی تمام یہ ظاہر کرتی ہے کہ گذشتہ زمانے میں کام جاری تھا۔ جیسے وہ کھا رہا تھا۔ آخری علامت سے بعض اوقات عادت ظاہر ہوتی ہے جیسے جب کبھی وہ آتا تھا تو ان سے ملنے ضرور جاتا تھا۔ اس کے ظاہر کرنے کی دوسری صورتیں بھی ہیں جیسے کھایا کرتا تھا۔ کھا رہا تھا۔ اس کے علاوہ ماضی تمام ایک اور طرح بھی ظاہر کی جاتی ہے مثلاً کہتا، یا کہتا رہا، کھاتا، یا کھاتا رہا۔ مگر یہ صورت فعل کے متواتر جاری رہنے کو ظاہر کرتی ہے۔ کبھی اس عادت کو بتاتی ہے جیسے کہ وہ کام برابر ہوتے ہوئے ہر مہینے میں ہر چند منع کرتا رہا مگر وہ بدستور بدش بھلی رہی اور وہ جاتا رہا۔ دوسرے دو صورتوں کے ماضی تمام کے ظاہر کرنے کی ایک اور صورت بھی ہے۔ جیسے پکارا کیا، جھگڑا کیا، جھگڑا اسکی عادت بھی گذشتہ صورت کی بھی ہے۔

بعض اوقات آخری علامت چھوٹ جاتی ہے۔ جیسے اس میں لڑائی کی کیا بات تھی، وہ اپنا کام کر کے آتا، اپنا کام کرتے رہتے، یہی کرتے رہتے میری عادت تھی کہ پہلے کھانا کھا کر پھر پڑھنے جاتا، دیتے کھاتا تھا اور جاتا تھا، جب کبھی وہ آتے ہزاروں باتیں سنا جاتے، آتے تھے اور اٹھ جاتے تھے۔

ماضی تمام (بعید) جس سے فعل کا زمانہ گذشتہ میں ختم ہو جانا پایا جاتا ہے، یہ تمام کے بعد "تھا" بڑھانے سے بنتی ہے۔ جیسے میں بولی گیا تھا۔ اس کی دوسری صورت "ہوگا تھا" بڑھانے سے بھی پیدا ہوتی ہے۔ اس میں یہ زیادہ زور ہوتا ہے اور کثر اس وقت استعمال ہوتی ہے جبکہ اس سے پیشتر ایک اور کام ہو چکا ہو جیسے وہ میرے پاس آنے سے پہلے کھانا کھا چکا تھا، میں جا کر کیا کرتا، اس کا کام پہلے ہی ہو چکا تھا۔

ماضی احتمالی (یا شکیہ) جس میں احتمال یا شک پایا جائے۔

علامت تمام کے بعد "ہو" یا ہوگا بڑھانے سے بنتی ہے جیسے آیا ہو، آیا ہوگا۔ دیا ہوگا۔ آیا ہو میں احتمال کا پہلو زیادہ ہے اور آیا ہوگا میں کم جیسے وہ ضرور آیا ہوگا، لیکن ہے وہ آیا ہو۔

ماضی شرطیہ یا تمنائی جس میں شرط یا تمنا پائی جائے۔

مادۂ فعل کے بعد "تا" بڑھانے سے بنتی ہے جیسے آتا، جاتا، کرتا۔ اگر وہ آجاتا تو اچھا ہی ہوتا۔ بعض اوقات ماضی شرطیہ سے کسی احتمال کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے کیا آپ سمجھتے ہیں کہ وہ میں جلتے آجاتا۔ میرا جی چاہے کر وہ آجاتا۔

دوسری صورت اس کی علامت تمام کے بعد "ہوتا" بڑھانے سے بنتی ہے جیسے اگر ہوتا کھایا ہوتا۔ یہ پچھلی صورت میں فعل کے وقوع سے تعلق نہیں بلکہ ایک فرضی صورت ہے۔ دوسری صورت میں شرط فعل کے وقوع کے ساتھ ہے۔

کبھی یہ زمانہ گذشتہ میں محض وقوع فعل کو ظاہر کرتی ہے، شرط یا تمنا کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا جیسے "جبیں کہ وہ اپنا کام کرتا یا نہ کرتا۔ اول میں تمہارے پاس" "پھر وہاں جاتا یہ کیوں کر ممکن تھا"۔

فعل حال۔

فعل حال سے زمانۂ موجودہ کا اظہار ہوتا ہے۔

اس کی چھے شکلیں ہیں۔

۱۔ صیغے اول وہ سادہ اور قدیم حال مطلق ہے جس کی صورت سے اب تک اس کی اصل ظاہر ہے۔ مگر موجودہ حالت میں وہ صاف صاف زمانۂ حال کو ظاہر نہیں کرتا کبھی زمانۂ حال کے ساتھ اس میں کئی قسم کے معانی کی جھلک پائی جاتی ہے۔ اردو قواعد نویسوں نے مضارع کے "امر سے آئے" ایک الگ فعل قرار دیا ہے اور "حال اور مستقبل" دونوں میں سے کسی ایک زمانے کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ بعض انگریز قواعد نویسوں نے اسے مستقبل کے تحت میں کہا ہے لیکن یہ بھی صحیح نہیں ہے درحقیقت یہ حال ہے اور اب بھی اس میں حال کے معنے پائے جاتے ہیں اس لیے ہم نے اسے حال ہی کے تحت میں رکھا ہے اگر یہ نام اس کا مفاہیم ہی مناسب ہوگا۔

مضارع کے آخر سے اکثر بڑھانے سے مضارع بنتا ہے جیسے "نا" سے "ئے"۔ جمع غائب میں دو تی، مخاطب میں واؤ اور متکلم میں دونوں اصلی۔

مضارع کی یہ موجودہ صورت ہے جو قدیم حال مطلق تھی۔ مثلاً "ہوتا ہے" کچھ عرصہ پہلے بطور حال مطلق کے استعمال ہوتا تھا اب بھی کہیں کہیں بول چال میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی سے موجودہ حال مطلق "جاتا ہے" بنا ہے پھر اس کے تغیر شدہ کی صورت یہ ہوئی "جاوے، جاوے ہے، جائے ہے، جاوت ہے" اور جاتا ہے۔ جاتا ہے موجودہ صحیح حال مطلق ہے باقی صورتیں

کب کے مختلف حالتوں میں مستعمل ہیں مگر صحیح نہیں سمجھی جاتیں، لیکن موجودہ حال مطلق انہیں سے ترقی کر کر بن گیا ہے۔ زبان میں افعال اور دیگر اجزائے کلام کے متعلق وقتاً فوقتاً تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں لیکن پھر بھی اصل قدیم صورتیں باقی رہ جاتی ہیں اور وہ خاص خاص حالتوں میں استعمال ہونے لگتی ہیں یہی حالت مضارع کی ہے۔ اصل اہمیت پر غور کرنے سے دھوکا ہو جاتا ہے۔

۲۔ امر دوسری سادہ صورت حال کی ہے۔ امر کے معنی حکم کے ہیں یعنی "حکم ادا کیا جائے" ہے جیسے جاؤ، چلو اور تشریف رکھئے۔ اس کا فاعل اکثر محذوف ہوتا ہے اس لیے کہ مخاطب سامنے موجود ہے۔ علامت مصدر گرا دینے کے بعد باقی امر رہ جاتا ہے جیسے کھانے سے کھا، آنے سے آ۔ کبھی یہ نظر و نثر اخلاق واعظ کے لیے بیع بولتے ہیں جیسے دوسرے افعال میں بھی ہوتا ہے۔ جمع مخاطب امر میں واحد کے بعد واؤ یا تے بڑھا دیتے ہیں۔ کبھی "بیٹو" جیسے واحد سوائے بے تکلفی بچوں یا نوکروں کو خطاب کرنے یا نظم میں یا حد کر خطاب کرنے کے دوسرے مواقع پر استعمال نہیں ہوتا۔ آخری صورت صرف آپ کے ساتھ استعمال ہوتی ہے جیسے آپ بیٹھئے، آپ ابھی نہ جائیے۔

مخاطب کے لیے امر غائب جمع کا صیغہ بھی اکثر استعمال کرتے ہیں جیسے آپ تشریف رکھیں۔ آپ وہاں نہ جائیں۔ کبھی اور زیادہ تعظیم کے لیے امر کے ساتھ "ی" اور ہمزہ بڑھا دیتے ہیں جیسے آیئے، کھایئے، دیجئے۔ یہ دونوں صورتیں آپ کے لیے استعمال ہوتی ہیں جس سادہ امر کے آخر میں تی ہوتی ہے تو وہاں امر تعظیمی کے لیے قبل تی اور ہمزہ کے ج بڑھا دیتے ہیں کیونکہ "تی" اور ہمزہ کے ایک جگہ جمع ہونے سے لفظ میں بہت دقت ہوتا ہے مثلاً کہیے "دیجئے" یہ بجائے "دیجیئے" کے اور یا امر جا کا اکثر بدل ہوتا ہے اس لیے سہولت کے خیال سے جا کا استعمال ہوا ہے

اس صورت میں امر کے آخر کا یائے مجہول گر جاتی ہے جیسے دینا اور لینا کی "ے" میجیے اور لیجیے میں۔ کیجیے کرنے جانے بتانے کہنے سننے یا گئے ہے۔

کبھی اس تعظیمی صورت کے آخر میں امر یہ تعظیم کے لیے گا بھی بڑھا دیتے ہیں، جیسے آئیے گا، فرمایئے گا، کیجئے گا، (یہ صورت قلیل الاستعمال ہے)۔

کبھی امر مخاطب جمع کی علامت آخر واؤ کے پہلے ایک "ی" بڑھا دیتے ہیں، جیسے رہو سہو سے رہیو، سہیو، یہ صورت تو اور تم کے ساتھ استعمال ہوتی ہے، آپ کے ساتھ نہیں آتی۔ جیسے یہاں آیو۔ عموماً یہ صورت دعا کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ خدا تم کو زندہ و سلامت رکھے، سدا بہت سال کی عمر ہو جیو جگ جگ جیو یہ صورت جواب بہت کم استعمال ہوتی ہے۔

کبھی لیجئے اور دیجئے الفاظ بھی مخاطب کے لیے استعمال ہوتے ہیں جیسے

آتا ہو تو ہاتھ سے دے دیجئے
جاتا ہو تو اس کا غم نہ کیجئے

لیکن اب اس کا استعمال نہیں ہوتا۔

۲۔ حال مطلق جس سے زمانہ حال عام طور پر بلا کسی تخصیص کے ظاہر ہوتا ہے جیسے آتا ہے، کھاتا ہے۔ یہ حالیہ تمام کے آگے واحد غائب ہیں اور واحد مخاطب میں ہے، جمع مخاطب میں ہو اور واحد متکلم میں ہوں بڑھانے سے بنتا ہے۔ جمع غائب اور جمع متکلم کی ایک صورت ہے۔ وہ آتے ہیں، ہم آتے ہیں، آتے ہے، جاتے ہے، اب متروک بھی جاتا ہے، اگرچہ بول چال میں اب بھی کہیں کہیں مستعمل ہے۔

۳۔ حال تمام جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کام جاری ہے اور ابھی ختم نہیں

ہوا جیسے وہ آ رہا ہے، وہ کھا رہا ہے، میں پڑھ رہا ہوں۔

یہ فعل کے آگے رہا ہے، رہے ہیں، رہا ہوں بڑھانے سے بنتا ہے۔

حال تمام ایک دوسری طریق سے بھی ظاہر کیا جاتا ہے۔ جیسے مثلاً کہے جاتا ہے۔ اب ہر ایک کھائے جاتا ہے۔ اس میں کسی قدر زیادہ زور اور فعل کا ہے در پے یا متواتر ہونا پایا جاتا ہے۔

۴۔ حال تمام جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کام ابھی ابھی ختم ہوا ہے، جیسے آیا ہے، پہنچا ہے، حالیہ تمام کے بعد ہے، میں ہوں بڑھانے سے بنتا ہے۔

کبھی یہ فعل کے بعد چکا ہے، ہوگا ہوں، چکے ہیں بڑھانے سے بھی تمام ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے وہ کھا چکا ہے، میں کھا چکا ہوں گا۔ اس صورت میں مزید تاکید اتمام فعل کی پائی جاتی ہے۔

۵۔ حال استمراری جس سے زمانہ حال کے کسی فعل میں استمرار پایا جائے۔ جیسے وہ آتا رہا ہے، آ رہا ہوگا، آتا ہوگا سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کام قریب زمانے میں واقع ہوگا اگرچہ احتمال ہے، اور آ رہا ہوگا سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کرنے کا فعل حال ہی سے بعینہٖ اس طالب ہے کہ وہ چل رہا ہے۔ حالت رفتار میں ہے اور آگے کی خبر ہے، جس سے آتا ہوگا اور آ رہا ہوگا سے بھی پیدا ہوتے ہیں اور دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(جس ارکانات "گا" کے اضافے سے حال استقبال کے معنی بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسے آ رہا ہوگا، آیا ہوگا، کر رہا ہوگا۔ سے عادت پائی جاتی ہے مثلاً ہم کسی سے سوال کریں کہ تم نے کبھی اسے ایسا کرتے دیکھا۔ وہ جواب میں کہے میں نہیں جانتا کرتا ہوگا۔

فعل مستقبل

(۱) مستقبل مطلق جس سے محض زمانہ آئندہ پایا جائے۔

مضارع کے بعد گا، گے، گی اور یا، یے، یی ملانے سے بنتا ہے جیسے کھائے گا، مگر مصدر سنائے ہوگا مستثنیٰ ہے۔ پرانی اردو میں ہوسے گا استعمال ہوتا تھا مگر اب متروک ہے۔ سہے گا اب بھی بول چال میں مستعمل ہے اور حال کے معنی دیتا ہے۔ کبھی کبھی آتا ہے مگر غیر فصیح ہے۔ اسی طرح ہوگا بعض اوقات حال کے معنی دیتا ہے۔ جیسے مجھ سے بڑھ کر بھی کوئی ہے، دنیا میں ہوگا (یعنی ہے)۔

(۲) مستقبل مطلق جس میں آئندہ زمانے میں کام کا جاری رہنا پایا جائے جیسے کرتا رہے گا، چلتا رہے گا۔

جو اس شجر سے میرؔ ثمر کھائے گا
تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہے گا

حالیہ اتمام کے بعد رہے گا "بڑھنے سے بن جاتا ہے۔

مگر جاتا رہے گا "مستقبل مطلق ہے۔ جیسے اس کا کام جاتا رہے گا یعنی ہاتھ سے نکل جائیگا یا بگڑ جائے گا۔ اس کا مصدر جاتا رہنا "(خارج ہونا) مصدر مرکب ہے۔

رہے گا سے ایک قسم کا استقبال بھی ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے آپ جائیے وہ آتا رہے گا۔ آپ چپ رہیئے وہ خود بخود پشیمان ہے گا۔

کبھی کبھی گی مستقبل کے معنی دیتی ہے جیسے اگر وہ آگیا تو ضرور جاؤں گا، وہ آئے تو میں چلا (یہاں دونوں جملیاں مستقبل کے معنی دیتی ہیں)۔

کبھی حال میں مستقبل کے معنی دیتا ہے، جیسے ہیں کل جاتا ہوں، اگرچہ یہ فصیح نہیں ہے) مصدر کے بعد "والا" کا لفظ بھی استقبال کے معنی دیتا ہے

اور مصدر ہونا کے حال کے ساتھ اکثر استعمال ہوتا ہے جیسے یہ کتاب کھنے والا ہوں، وہ اب جانے والا ہے۔ اس سے قریب کا آئندہ زیادہ ظاہر ہوتا ہے۔

بعض اوقات عادت مستقبل کو بتاتی ہے جیسے ایسا کبھی ہوا اور نہ ہوا (یعنی نہ ہوگا)

"گا" عادت مستقبل جدید نہیں ہے، پراکرت اور قدیم ہندی میں اس کا کہیں پتا نہیں۔ قدیم ہندی میں زمانہ مستقبل کو مضارع کے ذریعے سے ظاہر کرتے تھے، لیکن رفتہ رفتہ یہ طریقہ ناکافی سمجھا گیا اور زیادہ تر امتیاز کے لیے مستقبل کے لیے الگ علامت قائم کی گئی۔

"گا" دراصل سنسکرت کے مصدر گم (یعنی جانا) کے مادہ تمام ہندی گوتھ اور پراکرت گوز سے ماخوذ ہے۔ ہندی میں بھی مصدر جانا کا ماضی گیا ہے۔ زمانہ وسطیٰ کے شعرا نے گیا کا اختصار "گا" کر دیا جو نظم میں استعمال ہوا اور "گوانی" اس کی ہائبرڈ ہوئی جو بعد میں "گی" رہ گئی۔

مصدر کے بعد گا، کے، کی، کو لگنے سے بھی مستقبل مطلق کے معنی پیدا ہوتے ہیں، لیکن یہ ہمیشہ نفی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور تاکید کی نفی دیتا ہے جیسے وہ نہیں آنے کا، میں نہیں جانے کا۔

فعل کی گردان

فعل کی گردان میں تین باتوں کا لحاظ ہوتا ہے، جنس، تعداد اور حالت۔

جنس و تعداد

جنس کے معنی مذکر و مونث، تعداد کے معنی واحد و جمع کے ہیں۔

اردو میں فعل مذکر و مونث کی صورت میں فرق ہوتا ہے۔ واحد مذکر غائب کی علامت میں ہائے مخلوط جیسے آیا، آتی، تھا، تھی، آتا، آتی ہوگا

ہر ایک کو صیغہ کہتے ہیں۔

گردان افعال

ماضی

۱۔ ماضی مطلق

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ آیا	وہ آئے	تو آیا	تم آئے	میں آیا	ہم آئے
مؤنث	وہ آئی	وہ آئیں	تو آئی	تم آئیں	میں آئی	ہم آئے

۲۔ ماضی تمام (بعید)

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ آیا تھا	وہ آئے تھے	تو آیا تھا	تم آئے تھے	میں آیا تھا	ہم آئے تھے
مؤنث	وہ آئی تھی	وہ آئیں تھیں	تو آئی تھی	تم آئی تھیں	میں آئی تھی	ہم آئے تھے

ہو گی۔ جمع مذکر غائب میں باستثنا ہوں، ہوتے ہیں۔ اس کے آگے صرف نے بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے آ، آئے اور آئی۔ ان افعال میں اصل فعل کے بعد کوئی دوسرا فعل یا علامت لگائی جاتی ہے، ان کی گردان میں ذرا خلوط ہے۔ مثلاً ماضی بعید تمام، فعل حال مطلق و تمام میں بحالت مذکر اصل فعل اور علامت دونوں کو بدلنا پڑے گا۔ جیسے آتے تھے، آیا ہے، آتے ہیں، آتا ہے، آتے ہیں، تو آتا ہے، تم آتے ہو، مگر بحالت مؤنث صرف اصلی فعل کو بدلنا پڑے گا: جیسے آئی تھی، آئی تھیں، آئی ہیں، آئی ہے، تو آئی ہے، تم آئی ہو۔

مگر فعل مستقبل میں بحالت مذکر تو یہی صورت قائم رہے گی یعنی اصل فعل اور علامت دونوں بدل جائیں گے، لیکن مؤنث کی صورت میں اصل فعل تو سب معمول بدل جائے گا لیکن علامت مؤنث ایک ہی رہے گی۔ جیسے آئے گی، آئیں گی، آئے گی، آئے گی وغیرہ۔

حال امر یہ میں تخاطب اور مذکر کی کوئی تمیز نہیں جیسے چل اور چلو۔ مذکر و مؤنث دونوں کے لیے یکساں استعمال ہوتا ہے۔ تمام افعال کے جمع متکلم میں مذکر و مؤنث کے صیغے یکساں آتے ہیں مثلاً اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم متکلم ضمائر کو مذکر و مؤنث کا امتیاز ملحوظ نہیں ہے لیکن جہاں عورتوں وغیرہ کا لحاظ یا کوئی اور قرینہ ہو وہاں تو فرق کر دیا جاتا ہے۔ جیسے ہم سب بہادر نکلیں گے، ہم سب سہیلیاں پاس ہو جائیں گی۔

حالت

فعل کی تین حالتیں ہیں۔ غائب، حاضر اور متکلم اور ان میں سے ہر ایک کی بھی تعداد دو دو حالتیں ہیں، اس لیے کل چھ ہوئیں اور پھر ہر ایک حالت میں مذکر کی چھ دو دو حالتیں ہیں۔ اس لیے ہر فعل کی ۱۲ حالتیں ہوئیں، ان میں سے

۴۔ ماضی تمام

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ کرتا تھا یا کرتا تھا	وہ کرتے تھے یا کرتے تھے	تو کرتا تھا یا کرتا تھا	تم کرتے تھے یا کرتے تھے	میں کرتا تھا یا کرتا تھا	ہم کرتے تھے یا کرتے تھے
مونث	وہ کرتی تھی یا کرتی تھی	وہ کرتی تھیں یا کرتی تھیں	تو کرتی تھی یا کرتی تھی	تم کرتی تھیں یا کرتی تھیں	میں کرتی تھی یا کرتی تھی	ایضاً

۵۔ ماضی احتمالی

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ کرتا ہو گا	وہ کرتے ہوں گے	تو کرتا ہو گا	تم کرتے ہو گے	میں کرتا ہوں گا	ہم کرتے ہوں گے
مونث	وہ کرتی ہو گی	وہ کرتی ہوں گی	تو کرتی ہو گی	تم کرتی ہو گی	میں کرتی ہوں گی	ایضاً

۵۔ ماضی شرطیہ

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ کرتا گیا ہوتا	وہ کرتے گئے ہوتے	تو کرتا گیا ہوتا	تم کرتے گئے ہوتے	میں کرتا گیا ہوتا	ہم کرتے گئے ہوتے
مونث	وہ کرتی گئی ہوتی	وہ کرتیں گئی ہوتیں	تو کرتی گئی ہوتی	تم کرتیں گئی ہوتیں	میں کرتی گئی ہوتی	ایضاً

فعل حال

۱۔ حال قدیم یا مضارع

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ ہوئے[1]	وہ ہوویں	تو ہوئے	تم ہو	میں ہوؤں	ہم ہوویں
مونث	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً

[1] جمع مذکر غائب اور مضارع واحد غائب کی صورت یکساں ہے اس لیے تمیز کرنا ضروری ہے جمع غائب کے ضمیر غائب واحد حاضر جمع میں ایک ہی ہے۔

۲۔ حال مطلق

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ ہوتا ہے	وہ ہوتے ہیں	تو ہوتا ہے	تم ہوتے ہو	میں ہوتا ہوں	ہم ہوتے ہیں
مؤنث	وہ ہوتی ہے	وہ ہوتی ہیں	تو ہوتی ہے	تم ہوتی ہو	میں ہوتی ہوں	ایضاً

۳۔ حال ناتمام

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ ہوا رہا ہے	وہ ہوا رہے ہیں	تو ہوا رہا ہے	تم ہوا رہے ہو	میں ہوا رہا ہوں	ہم ہوا رہے ہیں
مؤنث	وہ ہوا رہی ہے	وہ ہوا رہی ہیں	تو ہوا رہی ہے	تم ہوا رہی ہو	میں ہوا رہی ہوں	ایضاً

۴۔ حال تمام

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ ہوا ہے	وہ ہوئے ہیں	تو ہوا ہے	تم ہوئے ہو	میں ہوا ہوں	ہم ہوئے ہیں
مؤنث	وہ ہوئی ہے	وہ ہوئی ہیں	تو ہوئی ہے	تم ہوئی ہو	میں ہوئی ہوں	ایضاً

۵۔ حال احتمالی

	واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ آتا ہو گا یا آتا ہوگا یا آرہا ہوگا	وہ آتے ہوں گے یا آتے ہونگے یا آرہے ہونگے	تو آتا ہو گا یا آتا ہوگا یا آرہا ہوگا	تم آتے ہو گے یا آتے ہونگے یا آرہے ہونگے	میں آتا ہوں گا یا آتا ہونگا یا آرہا ہونگا	ہم آتے ہوں گے یا آتے ہونگے یا آرہے ہونگے
مؤنث	وہ آتی ہو گی یا آتی ہوگی یا آرہی ہوگی	وہ آتی ہوں گی یا آتی ہونگی یا آرہی ہونگی	تو آتی ہو گی یا آتی ہوگی یا آرہی ہوگی	تم آتی ہو گی یا آتی ہوگی یا آرہی ہوگی	میں آتی ہوں گی یا آتی ہونگی یا آرہی ہونگی	ایضاً

۶۔ امر

	واحد غائب	تثنیہ غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ دوڑے	وہ دوڑیں	تو دوڑ	تم دوڑو	میں دوڑوں	ہم دوڑیں
مؤنث	یضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً	ایضاً

فعل مستقبل

۱۔ مستقبل مطلق

	واحد غائب	تثنیہ غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
مذکر	وہ دوڑے گا	وہ دوڑیں گے	تو دوڑے گا	تم دوڑو گے	میں دوڑوں گا	ہم دوڑیں گے
مؤنث	وہ دوڑے گی	وہ دوڑیں گی	تو دوڑے گی	تم دوڑو گی	میں دوڑوں گی	ایضاً

امر دوامی و مستقبل دوامی بنانا اور اس کے خصوصیات۔ فعل دوام کے الفاظ کے ساتھ بطور امر دوامی فعل کے آتے ہیں۔ اس سے فعل میں دوام کے معنے پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسے جیتا رہ۔ امر دوامی ہے کھاتا رہے گا مستقبل دوامی ہے۔ کرتا رہا۔ جاتا رہے۔ ان سب میں بھی معنے پائے جاتے ہیں۔

طور مجہول

اسے مجہول اس لیے کہتے ہیں کہ فعل کا فاعل معلوم نہیں ہوتا۔

طور مجہول عموماً اور اکثر افعال متعدی کا ہوتا ہے۔

جس فعل متعدی کا مجہول بنانا ہو اس فعل کی ماضی مطلق کے آگے مصدر جانا سے جو زائد بنانا مقصود ہو وہی زمانہ بنا کر لگا دیا جائے۔ مثلاً کھانا سے جاں مطلق لگا دیا جائے تو وہ ہوگا "کھایا جانا ہے"۔ اسی طرح کھایا جائیگا (مستقبل) کھایا گیا: ماضی مطلق) کھایا جاتا تھا۔ ماضی ناتمام کھایا جاتے (امر غائب یا مضارع)

وہ افعال جو بھی طور پر مجہول واقع ہوتے ہیں مثلاً پٹنا۔ ٹلنا۔ پلنا۔ کھلنا۔ ٹلنا (تقسیم ہونا) چھننا۔ بننا۔ کٹنا۔ سلنا۔ کھنت۔ جیسے وہ پٹا "اب بیان ظاہر وہ فاعل معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت وہ نہیں ہے۔ پٹنے والا کوئی اور ہی ہے" وہ" صرف نام مقام فاعل ہے۔ اصل میں یوں تھا" وہ پیٹا گیا"

دل لگا دن کو اس کے رات کو یوں بے خبر سونا
رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

اس شعر میں لگنا کے معنی ہیں لگا جانا۔ اسی طرح آنا جانا۔ ظاہر ہے کہ آنا خود بخود ہوتا ہے کرنے والا کوئی اور ہے۔ اس لیے آنا فاعل کہیے مجہول ہے۔ اصل تھا" آنا نوا گیا" اسی طرح پڑھے لکھے، دیکھے بھالے، کھولے الے کان بھیدا" دروازہ کھلا، لکڑی کٹی وغیرہ وغیرہ۔

بعض اوقات فعل لازم کے ساتھ بھی طور مجہول استعمال ہوتا ہے جیسے مجھ سے وہاں جاکر آیا نہ گیا۔ مجھ سے اتنی دور نہیں چلا جاتا۔ مجھ سے آیا نہیں جاتا لیکن یہ صورت ہمیشہ نفی کے ساتھ آتی ہے اور اس کے معنی بھی نفی ہی کے ہیں یعنی یہ ہمیشہ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کہ فاعل یا فاعل کو کسی فعل کا کرنا منظور نہیں مارہ اس کے کرنے سے معذور ہے۔ انہیں معنوں میں طور مجہول افعال متعدی کے ساتھ بھی آتا ہے جیسے مجھ سے کھانا کھایا نہ گیا۔

غم میں اس کی کسی کی جو آئی تو آیا نہ گیا
ہم کو بیدردوں سے ہرگز پیار کیا نہ گیا (میر)

یہاں گیا کے معنی "سکے" کے ہیں اگرچہ صورت مجہول کی ہے۔

لیکن بعض اوقات جانا بطور فعل امدادی کے دوسرے افعال کے ساتھ آتا ہے مثلاً کھا جانا، مر جانا، اڑ جانا، میدان افعال میں اور طور مجہول میں فرق کرنا چاہیے۔ اس کا امتیاز بہ آسانی اس طرح ہو سکتا ہے کہ اگر فعل کے ساتھ صورت فاعلی استعمال ہو سکتی ہے تو وہ طور معروف ہے اور اگر یہ نہیں ہو سکتی تو وہ طور مجہول ہے۔

طور مجہول میں جو جانا استعمال ہوتا ہے وہ پراکرت کے طور مجہول سے ماخوذ ہے۔ پراکرت میں طور مجہول کے بنانے کے لیے اجا یا ایجا فعل کے آگے بڑھا دیتے ہیں (سنسکرت میں حالت مجہول یا ہے)۔ مارواڑی میں اب تک پراکرت کی اس کا پتا لگتا ہے۔ مارواڑی میں طور مجہول کے لیے "اجنو" استعمال ہوتا ہے جیسے کرا جنو یعنی کیا جانا۔ مرہٹہ زبان اور تبرا اس پر نظر نہ رہنے سے غلطی سے جانا کا جا سمجھا گیا۔ اور رفتہ رفتہ طور مجہول کے لیے جانا استعمال ہونے لگا۔

افعال کی نفی

۱۔ افعال کے ضمائر تاہیں خدا نہیں لگانے سے فعل منفی ہو جاتا ہے مثلاً وہ اب تک نہیں آیا۔ تم کل کیوں نہیں آئے۔ آئے کچھ نہ ملا۔

بعض اوقات نہیں بلکہ میں آتا ہے جیسے میں تمام دن انتظار کرتا رہا مگر وہ آیا ہی نہیں۔ صاف پیغام بھی نہیں سامنے آئے بھی نہیں۔ وہ بیٹھا کو نہیں یہ اکثر تخصیص کے موقع پر ہوتا ہے لیکن نظم میں پابندی نہیں۔

۲۔ نہ اور نہیں کے استعمال میں فرق ہے۔ نہی شرط اور مطلب کے ساتھ "نہیں" استعمال نہیں کرتے بلکہ "نہ" استعمال ہوتا ہے۔ اگر وہ نہ آئے تو خط لکھ بھیجنا۔ اگر وہ نہ آئے تو میں کیا کروں۔ مجھے ہم دل بھیجتے جو دیوانہ خوار ہوتا۔

نہ خدا کچھ تو خدا ہوتا اور نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

بعد شرط کے دوسرے حصے میں بھی جیسے ہو سکتے ہیں "نہیں" نہیں آتا۔ اگر وہ آتا تو اچھا نہ ہوتا۔ بعض اوقات اس کے استعمال میں غلطی ہو جاتی ہے مثلاً

"ہم خدا جانے کہ بھلے گر خدا ہی ہوتی ہیں"

ہاں اگر بھلے نہیں کے تئیں ہوتا تو بیشک صحیح تر ہوتا۔ نہی مطلق میں شرط کے ساتھ بھی اکثر نہیں استعمال نہیں کرتے۔ جیسے اگر وہ نہ آیا تو کیا ہوگا۔

وہ نہ آیا تو تو ہی چل دیجیں
اس میں کیا تیری شان جاتی ہے

۳۔ حال امر کی نفی تو اور وقت دونوں سے آتی ہے، جیسے مذکر مست کر مست میں مزید تاکید پائی جاتی ہے

۴۔ نہی مطلق میں اکثر "نہیں" آتا ہے لیکن بعض اوقات "نہ" بھی

استعمال ہوتا ہے جیسے

ذرا پھر تو پڑھ دو ہوا میر کا انداز نصیب
وہ آتی ہے یاد اس سے بہت زور غزل میں

اسی طرح ماضی تمام و ناتمام و احتمال کیساتھ بھی "نہیں" آتا ہے لیکن جب ماضی امتمانی کی آخری علامت "تھا" محذوف ہو تو ہمیشہ "نہ" استعمال ہوگا جیسے ممکن ہے کہ وہ نہ بھی ہوا ہو اور یوں ہی چلا گیا ہو۔

۳۔ فعل مستقبل کی نفی ماضی اور دوسرے افعال کے آتی ہے۔ کبھی حصر کے بعد کبھی (کبھی) لگا دینے سے مستقبل کے معنے پیدا ہو جاتے ہیں مگر بصورت ہیشہ نفی کے ساتھ آتی ہے اور اس سے تاکید مخصوص ہوتی ہے جیسے "میں نہیں آؤں گا" ہم نہیں آئیں گے" وہ نہیں آئے گی۔ ایسی صورت میں نفی کے لیے ہمیشہ "نہیں" آتا ہے۔

۴۔ نفی حال حقیقی میں آخری علامت ہے یا ہیں حذف ہو جاتی ہے جیسے "میں نہیں آتا" "وہ نہیں آتا" اس سے نہیں کہا جاتا۔

کوئی صورت نظر نہیں آتی　　کوئی امید بر نہیں آتی

لیکن جب کسی جملے کے دونوں حصوں میں صرف نفی کا مقصود ہو تو "نہ" لکھنا چاہیے۔ اس وقت آخر کا فعل امدادی لیتا ہے یا نہیں، نہیں کرتا جیسے نہ خوب آتا ہے نہ وہ سروں کو آنے دیتا ہے۔ حال تمام کے ساتھ کبھی نہیں استعمال ہوتا ہے اور آخر عضو فعل سادی ہے "یا نہیں" کر دیا جاتا ہے جیسے وہ اب تک نہیں آیا (آیا ہے)[1]

[1] اس فعل امدادی (ہے) کے گر جانے کی وجہ یہ ہے کہ نہیں بذات خود ایک فعل (ہے) کو لیے ہوئے ہے گویا نہیں مرکب ہے جو اصل میں تھا نہ ہے۔ اس سے ہے کی ضرورت نہیں

۷۔ جملے افعال کو جو کسی صفت اور فعل سے مرکب ہوں ان کی نفی دو طرح کی جاتی ہے یا تو حرف نفی اسم یا صفت کے اول ہوتا ہے یا فعل کے اول جیسے "میں یہ کام نہیں اچھا کرتا۔ اور میں یہ کتاب پسند نہیں کرتا۔ میں ان باتوں سے نہیں خوش ہوتا اور میں ان باتوں سے خوش نہیں ہوتا۔ پہلی صورت میں فعل کے ساتھ حرف نفی زیادہ بہتر ہے۔

۸۔ جملہ افعال کے آخر میں حرف نفی کبھی زائد بھی آتا ہے۔ مگر اس میں ایک خبر کی تاکید پائی جاتی ہے۔ جیسے آندھی آئی پر نہ ہوا چلی۔ آئی کر گئی نہ۔

کہیں فرق ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

"خبر" کے ساتھ "ہی" کا استعمال غیر صحیح ہے۔ جیسے "وہ ہی نہیں آئے"۔

افعال کا تعدیہ

سوائے ایک آدھ کے باقی تمام افعال لازم متعدی ہو سکتے ہیں اور متعدی سے متعدی۔ متعدی بنانے کے طریقے ہیں۔ (۱) چلنا سے چلانا۔ لازم سے متعدی کے۔ (۲) کھانا (آخر کا فعل امدادی) سے کھلوانا متعدی کے۔

اس کے علاوہ ایک قسم متعدی بہ دو واسطہ کی ہے جس کے معنی ہیں کہ فعل کے وقوع کے لیے دو واسطوں کی ضرورت ہے جیسے کہنا سے کہلوانا۔ متعدی کہلوانا یہ متعدی بہ یک واسطہ ہے اور متعدی المتعدی کہلوانا متعدی بہ دو واسطہ یعنی یہ متعدی بہ دو مفعول ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ "کہلوانا" میں کہ ہوتا ہے اور دوسرا مفعول ہی جیسے میں نے اسے کہا کہ وہ آئے کہا، کہلوایا میں وہ کہ محذوف ہوتا ہے کبھی کبھی ملفوظ بھی آتا ہے۔ اس لیے دو واسطے ہو گئے۔

(۱) اول افعال لازم سے متعدی اور متعدی سے متعدی المتعدی بنانے کے قاعدے کچھ باقاعدہ ہیں۔

(۲) جس فعل لازم کو متعدی اور متعدی المتعدی بنانا ہے کہ فعل کے مادے کے آخر میں "ا" بڑھا دیا جاتا ہے جیسے چلنا سے چلانا، ملنا